فروری 1998ء شوال 1418ھ

اللہ

ماہنامہ اصلاح انسانیت گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان
کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

فروری 1998ء شعبان المعظم 1418ھ

قیمت فی شمارہ ———— -/10 روپے
سالانہ فنڈ ———— -/100 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ: Ph: 268424

ایڈیٹر سے رابطہ کیلئے: عبدالقیوم ہاشمی تھانہ روڈ گکھڑ: Ph: 260734

پبلشر عامر رشید انصاری نے اصلاح برقی پریس لوہا بازار سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

برادران سلسلہ عالیہ توحیدیہ بخوبی جانتے ہیں کہ سلسلہ عالیہ توحیدیہ نہ تو کوئی سیاسی جماعت ہے اور نہ ہی کوئی مذہبی فرقہ بلکہ یہ تو ایک خالص اللہ والوں کی جماعت ہے جس کا مقصد مسلمانوں کی تربیت کر کے انہیں اللہ کی راہ پہ ڈالنا ہے برادران سلسلہ اس بات کی بھی شہادت دیں گے کہ سلسلہ عالیہ توحیدیہ حقیقتاً" ایک روحانی جماعت ہے اور اس کا مقصد مسلمانوں کو قرب الہی سے مزین کرنا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے برادران کسی طرح کی فرقہ پرستی کے شکار ہوں کیونکہ جو شخص اللہ کی محبت سے شناسائی کرلے اس کے باطن میں مسلمانوں میں باہمی محبت اور اخوت کے سوا تمام رذائل و خصائل ختم ہو جاتے ہیں۔

قارئین محترم! "اصلاح انسانیت" کا اجراء بھی اسی لئے کیا گیا ہے تاکہ آپ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیمات سے اچھی طرح آگاہ ہو سکیں۔ بالخصوص وہ تعلیم یافتہ نوجوان جن کے ذہنوں کو گندم نما جو فروش علماء و صوفیا نے انتشار میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اسلام سے بدظن ہو رہے ہیں۔ جب بھی کسی نوجوان سے اسلام کے متعلق بات ہوتی ہے تو وہ بیچارے فرقہ بندیوں کے گورکھ دھندوں ہی میں پھنسے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اب یہ برادران سلسلہ کا فرض اولین ہے کہ وہ ان مایوس نوجوانوں تک سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیمات پہنچائیں تاکہ وہ بھی آپ کی طرح اسلام کی حقیقی خوبیوں اور نعمتوں سے مستفیض ہو سکیں۔

کنتم خیر امتہ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر (آل عمران)

"تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے وجود میں لائی گئی ہو نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے باز رکھتے ہو"

برادران سلسلہ اور قارئین نے خطوط کے ذریعے شمارہ کے طرز اسلوب کو بہت سراہا ہے اور اپنے مفید مشوروں سے بھی نوازا ہے۔ (جزاک اللہ)

آپ کے مشوروں کی روشنی میں درس قرآن کے ساتھ ساتھ درس حدیث کا

باب بھی مستقلا" شامل کر دیا گیا ہے جو برادرم رانا محمد اعجاز صاحب کے ذمہ ہے۔ قبلہ محترم کے مضامین جو "صدائے فقیر" کے باب میں ضبط تحریر ہو رہے ہیں الحمد للہ بے حد پسند کئے جا رہے ہیں۔ دسمبر کے شمارہ میں برادر محترم رحمت اللہ شاہ صاحب کا مضمون جو "احساس زیاں" کے نام سے شائع ہوا بہت ایمان افروز اور متاثر کن تھا۔ اس شمارہ میں رمضان المبارک اور عید الفطر کی مناسبت سے آپ کو قبلہ حضور کا مضمون "عید الفطر اور تجدید عہد" کے عنوان سے پڑھنے کو ملے گا۔ میں اپنی اور شمارہ کے سٹاف کی جانب سے محترم قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب، برادران سلسلہ اور قارئین محترم کو رمضان المبارک اور عید الفطر کی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

والسلام

عبدالقیوم ہاشمی

درس قرآن

سورۃ لھب

ڈاکٹر عبدالرشید وقار

(دوسری قسط)

سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ ○

ترجمہ ۔ عنقریب شعلہ مارتی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا۔ ابولھب اور اس کی بیوی انیدھن اٹھانے والی۔ اس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہو گی۔

تفسیر :۔ رب العزت فرماتے ہیں کہ آج ابولھب ہمارے محبوب محمد ﷺ کی شان میں گستاخیاں کر رہا ہے۔ اس کو حتیٰ الامکان ایذا پہنچانے میں مصروف ہے۔ جب بھی اسے موقع ملتا ہے۔ آپ کو دکھ دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا ہم اسے مرنے کے بعد بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل کریں گے۔ اور اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی آگ میں جھونک دی جائے گی۔ اس کی مزین گردن میں مرنے سے پہلے مونجھ کی رسی ہو گی۔

حقیقت یہ ہے کہ ابولھب نہایت کمینہ صفت انسان تھا۔ جب تک زندہ رہا آپ ﷺ کو جسمانی اور ذہنی طور پر ہر طرح اذیت پہنچاتا رہا تاکہ حضور ﷺ کسی طرح اپنے مشن کو ترک کر دیں۔

دعویٰ نبوت سے پہلے آپ ﷺ کی دو صاجزادیاں ابولھب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے بیاہی ہوئی تھیں۔ لیکن ابھی رخصتی نہ ہوئی تھی۔ جب اسلام کی دعوت کا آغاز ہوا تو ابولھب نے اپنے دونوں بیٹوں کو بلا کر کہا کہ میرے لیے تم سے ملنا حرام ہے۔ جب تک تم محمد ﷺ کی دونوں بیٹیوں کو طلاق نہ دے دو۔ چنانچہ اس شقی القلب باپ کے حکم پر دونوں نے طلاق دے دی۔ عتیبہ تو گستاخی کرنے میں اس قدر آگے نکل گیا کہ اس نے آپ ﷺ کے سامنے آکر کہا النجم اذا ھوی اور الذی دنا فتدلی کا انکار کرتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے آپ ﷺ کی طرف تھوکا جو کہ آپ ﷺ پر نہیں پڑا۔ اور بعض نے روایت کی ہے کہ اس نے آپ ﷺ کا گریبان پکڑ کر کھینچا۔ حضور ﷺ نے رب

ذوالجلال سے دعا فرمائی کہ اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مسلط کردے۔ یہ الفاظ ابولہب نے بھی سن لئے اور اپنے بیٹے کے متعلق فکر مند ہوگیا۔ ہر طرح سے اس کی حفاظت میں لگ گیا لیکن کاتب تقدیر نے اپنے محبوب ﷺ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ اور عتیبہ کی دردناک موت کا فیصلہ کرلیا گیا۔ چنانچہ عتیبہ بھی اپنے باپ کے ہمراہ ملک شام کے سفر پر بغرض تجارت گیا تو رات کو قافلہ والوں نے سخت انتظامات کئے اور ابولہب کے بدقسمت بیٹے کو درمیان میں سونے کے لیے جگہ دی۔ رات کے پچھلے پہر ایک شیر آیا قافلے والوں میں سے کسی کو بھی نقصان نہ پہنچایا۔ لیکن عتیبہ کی چھاتی پر چڑھ کر اسے پھاڑ ڈالا۔ گستاخ رسول ﷺ ہونے کی وجہ سے اس کے خون اور گوشت کو بھی لقمہ بنانا پسند نہ کیا۔ بلکہ اطمینان سے واپس چلا گیا۔ ابولہب نے یہ روح فرسا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور سمجھ گیا کہ یہ آخری نبی ﷺ کی بددعا کا نتیجہ ہے۔ چونکہ خاندانی وقار اور چودھراہٹ پر ناز تھا پھر بھی مسلمان نہ ہوا۔

دوسرا بیٹا عتبہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوگیا اور دست مبارک پر بیعت بھی کی۔
ابولہب کی طرح اس کی بیوی بھی آپ ﷺ کو دکھ دینے میں کسی طرح بھی پیچھے نہ تھی۔ اس کا نام اروہ اور کنیت ام جمیل تھی۔ آنکھوں سے بھینگی اور شق القلب تھی۔ بڑی مغرور اور خود پسند تھی۔ ابوسفیان کی بہن تھی۔ دل میں نبی آخر الزماں ﷺ کے لئے کوٹ کوٹ کر عداوت بھری ہوئی تھی۔ چونکہ رئیس مکہ کی بیوی تھی اس لیے گلے میں قیمتی اور خوبصورت ہار پہنے رکھتی تھی۔ ایک دفعہ اس نے اپنے معبودوں (لات وعزیٰ) کی قسم کھا کر کہا کہ یہ قیمتی ہار نبی ﷺ کی عداوت پر خرچ کروں گی۔

اس بدبخت عورت کا معمول تھا۔ کہ روزانہ جنگل میں جاتی کانٹے دار جھاڑیاں اکٹھی کرتی اور رات کے وقت آپ ﷺ کے دروازہ پر ڈال دیتی تاکہ پاؤں مبارک زخمی ہو جائیں۔ یا پھر کانٹے ان راستوں پر بچھا دیتی جس پر چل کر آپ ﷺ حرم کعبہ تشریف لے جایا کرتے تھے۔ جب یہ سورت مبارکہ نازل ہوئی تو غصے سے آگ بگولا ہوگئی۔ بپھری ہوئی حالت میں آپ ﷺ کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی ہاتھ میں کچھ پتھر پکڑ رکھے تھے۔ اور کہتی جاتی ان پتھروں سے حضور ﷺ کی خبر لوں گی۔ آپ کو تلاش کرتی ہوئی حرم میں پہنچی۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ دیکھ کر فرمایا۔ ام جمیل آرہی

ہے ۔ یوں لگتا ہے جیسے ضرور کوئی بے ہودگی کرے گی ۔ نبی ﷺ نے فرمایا وہ مجھے دیکھ نہ سکے گی ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ اس نے ابوبکر صدیق ؓ سے کہا سنا ہے آپ کے دوست نے میری ہجو کی ہے ؟

جواب میں صدیق اکبر ؓ نے فرمایا ۔ خدا کی قسم انہوں نے ایسا نہیں کیا ۔ مطلب یہ تھا جس مذمت کا ذکر تم کر رہی ہو یہ تو اللہ تعالیٰ کی ہے محمد ﷺ کی نہیں ۔

حمالۃ الحطب کا لفظی ترجمہ ہے ۔ لکڑیاں ڈھونے والی ۔ یہ اس کا معمول تھا اور عربی میں محاورے کے طور پر اس شخص کے لیے بولا جاتا تھا جو چغل خوری کر کے لوگوں میں فساد پیدا کرے ۔ (یہ اس کی فطرت تھی) اس کی گردن کے لیے "جید" کا لفظ بولا گیا ہے ۔ یہ ایسی گردن کے لیے بولا جاتا ہے جس میں زیور پہنا گیا ہو ۔ یہ بات طنزیہ طور پر کہی گئی ہے کہ جس گردن میں آج وہ زیور پہن کر اتراتی پھرتی ہے اس میں مونجھ کی رسی ہو گی ۔

قران کریم کی یہ پیشین گوئی بھی اس وقت پوری ہوئی جب وہ ایک دن جنگ سے انیدھن اکٹھا کر کے لا رہی تھی ۔ راستہ میں ذرا آرام کے لیے بیٹھ گئی جب کہ لکڑیاں سر پر ہی رکھی ہوئی تھیں ۔ لکڑیوں کا گٹھا پیچھے کو لڑھک گیا ۔ چنانچہ انیدھن کے بوجھ اور مونجھ کی رسی کے دباؤ کی وجہ سے گلہ گھٹ گیا ۔ اور اس کی موت واقع ہو گئی ۔

قارئین محترم ! جب سے یہ کائنات وجود میں آئی ہے نہ جانے کتنے لوگ تھے جنہوں نے ابولہب کا کردار ادا کیا اور بے نام و نشان ہو گئے ۔ لیکن جس بدبخت کا قصہ قرآن کریم نے بیان کیا ہے ۔ وہ خداوند قدوس کے محبوب ﷺ کا مثالی دشمن تھا ۔ اور قاطع صلہ رحمی تھا ۔ غیرت خداوندی نے اسے قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے عبرت کا نشان بنا دیا ۔ ابولہب ایک نام نہیں ایک مستقل کردار اور طاغوتی طاقت و جبروت کے گٹھ جوڑ کا نام ہے جو روز اول سے آج تک حق و صداقت کے بالمقابل صف آرا ہے ۔ اسی ابلیسی طاقت کے بارے میں حکیم الامت ' شناسائے رموز کائنات علامہ اقبال ؒ نے فرمایا تھا ۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

درس حدیث

رانا محمد اعجاز

"اکمل المومنین ایمانا احسنھم خلقا" (مسلم)

ترجمہ ۔ مسلمانوں میں سے کامل ایمان اس کا ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔

اخلاق ایک بامقصد سوچ اور عمل کا نام ہے جس پر عمل پیرا ہو کر کوئی بھی شخص دینوی اور اخروی زندگی سنوار سکتا ہے۔

رسول کریم ﷺ نے بیشتر مقامات پر اہم ارکان اسلام کے ساتھ ساتھ جس کو بے انتہا اہمیت دی ہے وہ حسن اخلاق ہے۔ اسلام سے پہلے مذاہب میں بھی اخلاقیات کا درس ملتا ہے مگر اسلام کے نزدیک اخلاقیات کی جو قدر و قیمت ہے وہ کسی اور اخلاقی نظام یا مذہب میں نہیں ہے۔

یہ حدیث مبارکہ یہ حقیقت واضح کر رہی ہے کہ ایمان سے بڑھ کر اسلام میں کوئی چیز نہیں مگر ایمان کی تکمیل صرف اخلاق سے ہی ممکن ہے۔

آنحضرت محمد ﷺ نماز میں یہ دعا اکثر مانگتے تھے۔

"اے میرے پروردگار تو مجھ کو بہتر سے بہتر اخلاق کی رہنمائی کر، تیرے سوا کوئی اس (بہترین اخلاق) کی راہ نہیں دکھا سکتا اور برے اخلاق کو مجھ سے پھیر دے اور تیرے سوا کوئی ان "برے اخلاق" کو نہیں پھیر سکتا"

ایک اور جگہ سرور کائنات ﷺ نے خود اپنے بارے میں فرمایا کہ مجھے تکمیل اخلاق کے لیے معبوث کیا گیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام تعمیر سیرت و اخلاق کو کتنی اہمیت دیتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں دو عورتیں تھیں۔ ان میں سے ایک رات بھر نمازیں پڑھتی، دن کو روزے رکھتی اور صدقہ وخیرات کرتی تھی مگر اپنی زبان درازی سے ہمسائیوں اور دوسروں کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ اس کے برعکس دوسری عورت صرف فرض نمازیں پڑھتی لوگوں اور ہمسائیوں سے خوش اخلاقی سے پیش آتی تھی۔ جب

رسول کریم ﷺ سے ان دونوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے پہلی عورت کے بارے میں فرمایا کہ ان کی سب نیکیاں بیکار ہیں اور یہ اپنی بد اخلاقی کی سزا بھگتے گی اور دوسری عورت کے بارے میں فرمایا کہ وہ جنتی ہے۔ ان خواتین کی سیرتوں کے جو مختلف نتیجے رسول کریم ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے ظاہر ہوئے ہیں وہ اسلام میں اخلاق کی حیثیت کو پوری طرح نمایاں کر رہے ہیں۔ یعنی دنیوی اور اخروی زندگی میں کامیابی کا معیار عبادت ہی نہیں بلکہ حسن اخلاق بھی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا۔

"انسان حسن اخلاق سے وہ درجہ پا سکتا ہے۔ جو دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر عبادت کرنے سے حاصل ہوتا ہے"

یعنی نفلی نمازوں میں رات بھر کی شب بیداری اور نفلی روزوں میں دن بھر کی بھوک پیاس سے جو درجہ حاصل ہو سکتا ہے وہ حسن اخلاق سے بھی ہو سکتا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ حسن اخلاق بھی عبادت ہے اور اخلاق ہی وہ معیار ہے جس سے انسانوں میں درجہ اور رتبہ کا فرق نمایاں ہوتا ہے۔

یہ رسول کریم ﷺ کا حسن اخلاق ہی تھا جس نے جاہل اور برائیوں میں جکڑی ہوئی قوم کو راہ راست پر لا کر بلند مرتبے تک پہنچا دیا۔

دوسرے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اصلاح کا کام اس سطح سے شروع کیا جہاں حیوانات کی انتہا اور انسانیت کی ابتدا ہوتی ہے اور اس اعلیٰ سطح تک پہنچا دیا جو انسانیت کی انتہائی منزل ہے۔

آج ہمارا معاشرہ جن گوناگوں مسائل، مشکلات اور پریشانیوں میں مبتلا ہے وہ اخلاقیات کے فقدان کی وجہ سے ہی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ معاشرے کی حقیقی تشکیل حسن اخلاق کے بغیر ناممکن ہے اور اسی وجہ سے رسول کریم ﷺ نے حسن اخلاق کو ایک اہم دینی جزو قرار دیا ہے۔ اور اگر ہم رسول کریم ﷺ کے ارشادات کو سامنے رکھ کر اپنے معاشرے کا احاطہ کریں تو ہم دیکھ سکتے ہیں کہ کس قدر ہم دین اسلام کے سنہری اصولوں کو اپنی زندگیوں کا عملی جامہ پہنانے میں کوتاہی کر رہے ہیں۔ دین اسلام عمل کا نام ہے اور یہی اسلام کا پیغام ہے۔

صدائے فقیر .

متاع دنیا

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی

اس سے پہلے ہم حیات ارضی کی اہمیت واضح کر چکے ہیں ۔ اس لئے اللہ کے دین میں رہبانیت یعنی ترک دنیا کے تصور کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے ۔ اللہ تعالے کے قرب و رضا تک پہنچنے کا راستہ مخلوق خدا سے دور اور دنیا سے باہر سے نہیں بلکہ اس کے اندر سے ہو کر گذرتا ہے ۔ ہم سب انسان اللہ کے لئے ہیں اور سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اس فانی دنیا میں ہمارا قیام بے شک عارضی ہے لیکن بڑی اہمیت کا حامل ہے آخرت کی حقیقی زندگی میں کامیابی کا انحصار یہاں اللہ کو اپنا آقا و مولا اور محبت کا مرکز تسلیم کر کے اس کے آئین کا پابند ہو جانے اور ساتھی انسانوں کی خدمت کرنے پر ہے اللہ کے دین میں دولت ، عزت اور حکومت کو معیوب اور ناپسندیدہ نہیں بتایا گیا بلکہ قرآن کریم میں انہیں اللہ کی نعمتیں اور اس کا فضل قرار دیا گیا ہے ۔ چنانچہ بنی اسرائیل کو دنیوی بادشاہت کی نعمت یاد دلاتے ہوئے فرمایا گیا " اے قوم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب اس نے تم میں سے پیغمبر پیدا کیے اور تمھیں بادشاہ بنایا اور تم کو اتنا کچھ عنایت کیا کہ اہل عالم میں سے کسی کو نہیں دیا " (المائدہ۔ 20) اسی طرح ایک بستی والوں کا ذکر کرتے ہوئے زندگی کی سہولتوں اور رزق کی فراوانی کو اپنی نعمتیں قرار دیتے ہوئے فرمایا " اللہ تعالیٰ ایک بستی کی مثال بیان فرماتا ہے کہ ہر طرح امن اور چین سے بستی تھی ۔ ہر طرف سے رزق بافراغت چلا آتا تھا مگر ان لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کے اعمال کے سبب ان کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا کر ناشکری کا مزہ چکھا دیا " (النحل ۔112) اس کے علاوہ دوسرے کئی مقامات پر بھی دنیوی اقتدار اور حکمرانی کو اپنا انعام فرمایا ہے بلکہ سورت انبیا میں تو یہ اصول بھی بیان کر دیا کہ زمین کی وراثت و خلافت کا حق میرے صالح بندوں کا ہی ہے ۔ سورۃ الجمعہ میں جہاں اہل ایمان کو نماز کے بعد رزق کی تلاش کے لئے زمین میں پھیل جانے کے لیے فرمایا گیا ہے وہاں رزق کو اللہ کا فضل کہا گیا ہے اللہ تعالے نے مومنین کو ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ کی دعا سکھلا کر دنیا اور آخرت یعنی دونوں جہانوں کی بھلائیاں طلب

اور حاصل کرنے کی جامع تعلیم دے دی ہے ۔ ان آیات سے یہ حقیقت روشن ہو گئی کہ یہ تمام چیزیں اللہ تعالے کی نعمتیں ہیں ۔ اصل مسئلہ ان نعمتوں کے اغراض و مقاصد سمجھنے اور انہیں صحیح مقصد کے لئے استعمال کرنے کا ہے ۔ یہی نعمتیں جب اللہ اور آخرت کے منکر انسانوں کے ہاتھوں آجاتی ہیں تو وہ اللہ کی مخلوق کو ستانے اور ان پر ظلم و ستم ڈھانے کی راہ پر چل نکلتے ہیں اور زمین میں فساد پھیل جاتا ہے ۔ مگر جب یہ اللہ تعالے سے محبت کرنے والے بندوں کے تصرف میں آتی ہیں تو وہ انہیں کبھی بھی زندگی کا مقصود اور ماحصل نہیں سمجھتے ۔ بلکہ انہیں اللہ کی رضا کے حصول کا وسیلہ سمجھ کر مخلوق خدا کی خدمت اور اصلاح کے لئے صرف کرتے اور زمین کو امن و امان ، صلح و آشتی اور عدل و انصاف سے بھر دیتے ہیں ۔ یہ بڑی عام فہم سی حقیقت ہے کہ یہ مادی دنیا اور اس کی تمام نعمتیں گھٹیا اور ختم ہو جانے والی ہیں ۔ یہاں جس کے پاس جو کچھ بھی ہے سب ادھر ہی رہ جائے گا اس کے برعکس آخرت کی نعمتیں اتنی عمدہ اور اعلی ہیں کہ انسانی وہم و گمان میں نہیں آسکتیں اور پھر ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں ۔ وہاں جس کو جو کچھ بھی ملے گا چھینا نہیں جائے گا ۔ پھر بھی انسان اپنے نفس کے رجحانات کی وجہ سے مادی دنیا کی طرف ہی زیادہ جھکاؤ رکھتا ہے لیکن انسان کی اندرونی حقیقت یعنی روح کا رجحان ہمیشہ اللہ کی طرف ہوتا ہے اور اس کے ذکر سے محفوظ ہوتی ہے ۔ لیکن اس مادے کے اندھیروں سے نکال کر اللہ کی محبت کے نور سے آشنا کرنے کے لئے تزکیہ یعنی صفائی کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ عظیم نعمت اللہ کے رسول ﷺ یا انکے نقش قدم پر چلنے والے مردان خود آگاہ و خدامست کی صحبت اور نظر کیمیا اثر سے ملتی ہے اس طرح اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کے صدقے جو لوگ ایمان لا کر نماز اور ذکر کو اپنی زندگی کا اہم ترین جزو بنا لیتے ہیں ان کے دل اللہ کی محبت اور یقین کی دولت سے مطمئن ہو کر متاع دنیا کی کشش سے آزاد ہو جاتے ہیں ۔ قرآن کریم انسان کو اس جبلی رجحان سے نجات حاصل کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے راستہ بتاتا ہے ۔

قد افلح من تزکی وذکر اسم ربه فصلی بل توثرون الحیوة الدنیا والاخرة خیر وابقی ان هذا لفی الصحف الاولی صحف ابراهیم وموسی O (الاعلی - 14 تا 19)

" بے شک وہ مراد کو پہنچا جو پاک ہوا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز

بڑھتا رہا مگر تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو اختیار کرتے ہو حالانکہ آخرت بہت بہتر اور پائندہ تر ہے۔ یہی بات پہلے صحیفوں میں مرقوم ہے یعنی حضرت ابراھیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں"

اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ نے دنیا کی زندگی کی حقیقت ایک مثال دے کر سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ میری زندگی تو ایک مسافر کی مانند ہے جو سر راہ کسی سایہ دار درخت کے نیچے تھوڑی دیر کے لئے آرام کے لئے رک جائے اور پھر اپنے سفر پر روانہ ہو جائے یہ اتنی عمدہ مثال ہے کہ اپنی سادگی کے بڑے بڑے نظریات اور فلسفوں سے بھی زیادہ موثر اور سبق آموز ہے۔ ذرا غور فرمائیے کہ جو مسافر راستے میں کسی درخت کے نیچے تھوڑی دیر ستانے کے لئے ٹھہرتا ہے تو وہ اس درخت کا مالک تو نہیں بن جاتا۔ نہ وہ اسکو کسی دوسرے کے ہاتھ بیچ ڈالنے کا مجاز ہوتا ہے اور نہ ہی اسے اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے۔ البتہ وہ اس کے سایہ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اپنی سواری کے جانور کو اس کے ساتھ باندھ سکتا ہے ۔ اگر درخت پھلدار ہے تو اس کے پھل سے اپنی بھوک رفع کر سکتا ہے اگر اسے آگ کی ضرورت ہو تو اس کی خشک ٹہنیوں اور سوکھے پتوں سے آگ جلا سکتا ہے اس درخت کی طرح وہ تمام چیزیں جن سے ہم صرف عارضی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں "متاع" یعنی استعمال میں لائی جانے والی اور برتنے کی چیزیں کہلاتی ہیں۔ قرآن کریم بار بار یہ حقیقت ذہن نشین کراتا ہے کہ دنیا کی زندگی اور اس میں موجود ساری نعمتیں نہایت ہی مختصر عرصہ کے لئے ہیں اسی لئے اللہ تعالے نے ان کی حیثیت کے عین مطابق انہیں متاع کا نام دیا ہے۔ اللہ تعالے کے کلام کی بلاغت ملاحظہ فرمائیے کہ اس میں دنیوی زندگی کو ایک مرتبہ بھی گھر کا نام نہیں دیا گیا عربی زبان میں گھر کو دار کہتے ہیں اور قرآن میں دار الدنیا کی ترکیب استعمال نہیں کی گئی البتہ دار الاخرۃ بار بار آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ انسان کا گھر یہ دنیا نہیں ہے یہاں یہ مسافر کی حیثیت سے ہے اور اپنے گھر کی طرف رواں دواں ہے۔ اللہ تعالے دنیا کی زندگی کو لہو و لعب قرار دیتے ہیں جس کے معنی کھیل اور تماشا کے ہیں۔ کھیلوں کی افادیت تو یہ ہے کہ ان سے انسان اپنی جسمانی اور ذہنی صحت بہتر بنا کر کامیاب زندگی بسر کرے نہ کہ تفریح کو ہی زندگی کا مقصد بنا لے اور کسی کلب میں ڈیرے ڈال کر اپنے گھر ہی کو بھول جائے۔ دنیوی زندگی کی اس حقیقت کا دنیا ہی میں مشاہدہ کر لیں۔ جس طرح کوئی معقول اور ذی شعور

شخص کسی کھیل کے میدان، ورزش کے کلب، تفریح گاہ، تماشاہ گاہ اور سینما تھیٹر وغیرہ میں ڈیرے ڈال کر بیٹھ نہیں جاتا بلکہ وہاں مختصر عرصہ گذارنے کے بعد اپنے گھر لوٹ آتا ہے اسی طرح اس دنیا سے ہم سب کو اپنے اصلی گھر کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اللہ نے متاع حیات انسانوں کے برتنے اور فائدہ اٹھانے کے لئے دے رکھا ہے نہ کہ اس پر اپنی ملکیت جتانے اور اس کی خاطر فساد کرنے کے لئے حیات دنیا کے بارے میں قرآن کریم کی چند آیات یہاں درج کی جاتی ہیں

(1) یقوم انما هذه الحیوة الدنیا متاع وان الاخرة هی دار لقرار O (المومن ۔ 39)

"اے میری قوم یہ دنیا کی زندگی چند روز فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور جو آخرت ہے وہ ہمیشہ رہنے کا گھر ہے"

(2) وما هذه الحیوة الدنیا الا لهو ولعب وان الدار الاخرة لهی الحیوان لو کانو یعلمون (العنکبوت ۔ 64)

"اور یہ دنیا کی زندگی تو کھیل تماشا ہے اور آخرت کا گھر ہی ہمیشہ کی زندگی کا مقام ہے کاش یہ لوگ اسے سمجھتے۔"

(3) فما اوتیتم من شی فمتاع الحیوة الدنیا وما عندالله خیر و ابقی للذین امنوا وعلی ربهم یتوکلون O (الشوری ۔ 36)

تمھیں جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ تو دنیا کی زندگی کا ناپائیدار فائدہ ہے اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے بہتر اور قائم رہنے والا ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں)

اللہ اس دنیا کی حقیقت بار بار بیان فرماتے ہیں تاکہ انسان اس کے دھوکے میں آ کر آخرت کی حقیقی زندگی کو نظرانداز نہ کردے۔ اس عارضی زندگی کا حسن دھوکہ دینے والا ہے اور اس کی نعمتیں عارضی ہیں۔ یہاں کی کوئی بھی چیز مستقل اطمینان عطا نہیں کر سکتی۔ یہاں کوئی مال و دولت کی کمی کی وجہ سے پریشان ہے تو دولتمند بھی مال کے جھمیلوں میں الجھ کر سکون کے لئے ترستا دکھائی دیتا ہے۔ کوئی اولاد حاصل کرنے کے لئے دعائیں مانگ رہا

ہے تو کوئی اولاد کے ہاتھوں تنگ آکر خودکشی کر رہا ہے کھانے والی کوئی لذیذ سے لذیذ چیز ہی کیوں نہ ہو جب پیٹ بھر جائے تو اس کی طرف دیکھنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ اپنے استعمال کے لئے کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ چیز مثلاً ٹی وی۔ فرج یا موٹر کار خرید لیں۔ چند دن یا چند ماہ تو انہیں دیکھ کر اور استعمال کر کے خوشی کا احساس ہوتا رہے گا پھر آہستہ آہستہ کم ہو کر بالکل ہی غائب ہو جائے گا۔ الغرض یہاں کسی چیز کو دوام حاصل نہیں ہے جو لوگ اللہ کی بات تسلیم کر کے اس کی محبت اور اطاعت کے صراط مستقیم پر گامزن ہو جائیں گے وہ کامیاب ہو جائیں گے اور جو دنیا کے دلفریب منظر کو حقیقی اور دائمی جان کر اسی کے دلدادہ ہو کر رہ جائیں گے انہیں آخرت میں پچھتانا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ دنیا کی زندگی کو موسمی فصل کے مشابہ قرار دیتے ہیں کہ جب وہ اپنے جوبن پر ہوتی ہے تو جاذب نظر اور دل کو لبھانے والی ہوتی ہے لیکن چند دن بعد ہی اس کا سارا حسن کافور ہو جاتا ہے اور وہ سوکھ کر چورا چورا ہو جاتی ہے اللہ تعالے کی بیان کردہ تمثیل کا مشاہدہ کیجئے اور عبرت حاصل کرنے والوں میں سے ہو جائیں

اعلموا انما الحیوۃ الدنیا لعب و لھو و زینتہ و تفاخر بینکم و تکاثر فی الاموال والاولاد کمثل غیث اعجب الکفار نباتہ ثم یھیج فترٰہ مصفرا اللہ ثم یکون حطاما و فی الاخرۃ عذاب شدید و مغفرۃ من ا ورضوان وما الحیوۃ الدنیا متاع الغرور ۝ (الحدید۔ 20)

"جان لو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل تماشا اور زینت و آرائش اور تمہارے فخر و ستائش اور مال و اولاد کی ایک دوسرے سے زیادہ طلب و خواہش ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے بارش کہ اس سے کھیتی اگتی اور کسانوں کو بھلی لگتی ہے پھر وہ خوب زور پر آتی ہے۔ پھر آپ دیکھتے ہیں کہ وہ زرد پڑ جاتی ہے اور چورا چورا ہو جاتی ہے۔ زندگی کا انجام بھی اسی طرح ہو گا اور آخرت میں کافروں کے لئے سخت عذاب اور مومنوں کے لیے اللہ کی طرف سے بخشش اور خوشنودی ہے۔ اور پھر سن لو کہ دنیا کی زندگی متاع فریب ہے"

ملفوظات بانی سلسلہ

مسلمانوں کے اسباب زوال

(بانی سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی تصنیف "تعمیر ملت" سے اقتباس)

پچھلے شمارے میں ہم نے عقیدہ توحید کے بارے میں بیان کیا جو مسلمانوں کے دین کی اساس اور ان کی جماعتی شیرازہ بندی کی بنیاد اور اجتماعی طاقت کا اصل راز تھا۔ اب اتحاد کے بارے میں بیان کریں گے۔

اتحاد ۔ معلوم نہیں خدا کی کیا مصلحت تھی کہ اسلام کے ساتھ ہی منافقوں کو بھی پیدا کر دیا یہ منافق ابتدا ہی سے مسلمانوں کو آپس میں لڑانے اور ان کی اجتماعی قوت کو کمزور کرنے میں کوشاں رہے ۔ حضرت عمرؓ کی خلافت تک ان کا بس نہ چلا لیکن حضرت عثمان غنیؓ کی نرم مزاجی سے انہوں نے بہت فائدہ اٹھایا ۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت ' حضرت علیؓ سے حضرت عائشہؓ اور امیر معاویہؓ کی لڑائیاں اور حضرت امام حسینؓ کی شہادت انہی منافقوں کی سازش کا نتیجہ تھی ' حضرت علیؓ کے زمانہ ہی میں مسلمان دو تین فرقوں میں تقسیم ہو چکے تھے ۔ لیکن یہ اختلافات زیادہ نمایاں اور موثر نہ تھے ' لیکن شہادت امام کے بعد تو ملت اسلامیہ علانیہ کئی فرقوں میں تقسیم ہو گئی ان کے بعد ان فرقوں کی تعداد ہمیشہ بڑھتی ہی رہی ۔ یہاں تک کہ بہتر سے بڑھ کر کئی سو تک پہنچ گئی ' باوجود ازیں یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے یہ اختلافات ہرگز ہرگز اصولی نہیں ' بلکہ محض فروعی ہیں کیونکہ قرآن ' رسول اور اللہ کو سبھی مانتے ہیں یہ اختلافات ان فرقوں کے بانیوں کے اس اجتہادی اختلاف سے پیدا ہوئے جس کو سرکار کائنات ﷺ نے رحمت فرمایا لیکن یہاں یہ حالت ہے کہ تمام فرقوں کے مسلمان ایک دوسرے سے اس قدر بیگانہ اور دور ہیں کہ آپس میں بات چیت کرتے اور پاس بٹھانے کے بھی روادار نہیں حتیٰ کہ ایک فرقے کا مسلمان دوسرے مسلمان کی مسجد میں نماز تک ادا نہیں کر سکتا۔ ہم نے یہ مناظر بیسیوں مرتبہ بچشم خود دیکھے ہیں ۔ کہ اگر کوئی مسلمان کسی غیر فرقے کی مسجد میں بھول کر بھی چلا گیا تو اس کو گالیاں دی گئیں ۔ بے عزت کیا گیا اور مار پیٹ کر نکال دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ تو قرآن میں فرماتا

ہے کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں لیکن آج دو سگے بھائیوں میں بھی وہ محبت نہیں جو کسی زمانہ میں غیر ملکی اور اجنبی مسلمانوں میں ہوا کرتی تھی۔ ہم نے برسہا برس نہائت رنج و اندوہ سے اس بات کا مطالعہ کیا ہے کہ ایک چار کمرے والے مکان میں چار مختلف ہندو خاندان نہایت سلوک اور محبت سے رہ سکتے ہیں لیکن ایک دس کمرے والی کوٹھی میں دو سگے بھائی ہرگز نہیں رہ سکتے، اگر وہ رہ بھی سکیں تو ان کی بیگمات تو یقیناً" نہیں رہ سکتیں۔ ایک مکان تو کیا مسلمان تو ہمسایوں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے نہیں رہتے، رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں "کہ وہ شخص جنت میں داخل نہ ہو گا جس کا ہمسایہ اس کی برائیوں سے امن میں نہ ہو"

لیکن ہمارے معاشرے میں تو بہت کم ایسے خوش نصیب ہوں گے جو اپنے ہمسایوں کے شر سے امن میں ہوں قرون اولی کا تو ذکر ہی کیا ہمارے دیکھتے دیکھتے پچاس برس پہلے تک کی یہ بات تھی کہ جب کوئی ہندو سفر پر جاتا تو اپنے بیوی بچوں، مال و دولت کو ہندو کی بجائے مسلمان پڑوسی کے سپرد کر کے جانا بہتر سمجھتا تھا لیکن بعد میں یہ کایا پلٹی کہ آج کوئی غیر مسلم اپنے محلہ میں کسی مسلمان کو کرایہ پر مکان دینا بھی گوارا نہیں کرتا۔

مسلمانوں کا افتراق مذہبی فرقہ بندی تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کی اور بھی کئی شقیں ہیں مثلاً" نسلی، وطنی، قومی، لسانی اور سیاسی وغیرہ عربی، مصری، افریقی، ترکی، ایرانی، عراقی، افغانستانی اور پاکستانی سبھی اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر اور افضل سمجھتے ہیں، اور ان میں اپنائیت کا وہ جذبہ ہرگز نہیں جو قرآن پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اور یہ بات انگریز کی تبلیغ قومیت پرستی سے پیدا ہوئی ہے۔ اپنے وطن سے محبت کرنا تو بہت سعید جذبہ ہے لیکن دوسرے ملک کے باشندوں کو کمتر یا ذلیل جاننا کہاں کی شرافت ہے۔ خصوصاً" جب کہ وہ تمہارے اسلامی بھائی ایک کلمے کے شریک ہوں، بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی، مصیبت تو یہ ہے کہ ایک ہی ملک کے مختلف صوبوں اور علاقوں میں احساس کمتری و برتری بلکہ جذبہ منافرت موجود ہے، پاکستان ہی کو لیجئے تقسیم ہند کے بعد اس میں پانچ صوبے تھے جن میں سے اب چار صوبوں کو ملا کر مغربی پاکستان کی ایک وحدت بنا دی گئی لیکن باوجود اس کے بنگالی، پنجابی، سندھی، پختونی اور بلوچی کی باہمی نفرت اب بھی دور نہیں ہوئی۔ اس نفرت کا بیان

الفاظ میں تو ممکن نہیں ہے، یہ مناظر دیکھنا اور باتیں سننا ہوں تو دفتروں میں جائیے اور بچشم خود ملاحظہ فرمائیے کہ وہاں کس قدر منظم مخاصمت باہمد گر پائی جاتی ہے چپراسی کی معمولی سی اسامی بھی خالی ہو تو ایک آگ بھڑک اٹھتی ہے کلرک اور سپرنٹنڈنٹ ہی نہیں بلکہ بڑے سے بڑے افسروں تک کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ یہ آسامی ان کے علاقے کے کسی آدمی کو ملے بڑی بڑی آسامیوں کا تو ذکر ہی فضول ہے عام طور پر ہر افسر یہ کوشش کرتا ہے کہ لائق اور جائز حقداروں کو محروم کر کے یہ آسامی اس کے کسی رشتہ دار کو نہیں تو علاقے کے آدمی کو مل جائے خواہ وہ کتنا ہی نالائق اور جونیئر کیوں نہ ہو۔ علاوہ ازیں افسران اپنے غیر علاقیائی ماتحتوں کو محض اس لیے تنگ کرتے اور نالائق بنانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ وہ ترقی نہ کر سکیں۔ ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کلیہ میں کوئی استثنا ہی نہیں ہے۔ بلا شبہ اچھے، نیک اور منصف مزاج افسروں کی بھی کمی نہیں لیکن عام حالت یہی ہے جو بیان ہوئی اور یہ تمام چالیں اور شرارتیں وہی ہیں جو قبل تقسیم کے ہندوستان میں ہندو افسران مسلمان ماتحتوں کے ساتھ برتا کرتے تھے۔ کیا کسی قوم کے زندہ رہنے اور طاقتور بننے کے یہی آثار ہیں دعویٰ تو یہ کیا جاتا ہے کہ تمام پاکستانی ایک قوم ہیں لیکن عملی ثبوت اس کے خلاف دیا جاتا ہے۔

صوبہ جاتی اور علاقائی اختلافات سے زیادہ اندوہناک لسانی تعصب ہے۔ چنانچہ جب پاکستان میں ایک قومی اور سرکاری زبان بنانے کا سوال پیدا ہوا تو ایک قیامت برپا ہو گئی۔ مختلف صوبوں کے اکثر لوگ یہی چاہتے تھے کہ ان کی زبان خواہ کسی قدر لچر پوچ اور کم مایہ کیوں نہ ہو سرکاری زبان بنا دی جائے یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے انگریزی زبان کو تو ملک میں رائج رکھنے پر کبھی اعتراض نہیں کیا لیکن اردو زبان کا نام سنتے ہی چراغ پا ہو جاتے ہیں کوئی بیوقوف بھی تو اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ اردو ہی صرف ایسی زبان ہے جو اگرچہ کسی صوبے کی مقامی زبان نہیں لیکن تمام ملک بلکہ بیرون ملک بلا تکلف بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں اس میں بہت سے علوم کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ اور یہ قدرتی استعداد بھی موجود ہے کہ باقی علوم کو بھی اپنے الفاظ کے دامن میں پرورش کر سکے۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کی نہج اسلامی ہے۔ کیونکہ اس میں عربی و فارسی ادب

کا کافی حصہ منتقل ہو چکا ہے لیکن تعصب اور ہٹ دھرمی کا کیا علاج؟ یہاں ہم یہ اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ پنجاب نے اردو ادب کے لیے جس ایثار، فراخدلی اور خدمت کا ثبوت دیا ہے پاکستان کا کوئی علاقہ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ برخلاف ازیں بنگال نے اس معاملہ میں جس قدر تنگدلی کا ثبوت دیا اس پر تعجب ہوتا ہے ہندو اردو سے محض اس لیے نفرت کرتے تھے کہ یہ فارسی اور عربی سے پیدا ہوئی اور ایک اسلامی زبان ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے بنگالی مسلمان بھائیوں کو اس سے نفرت کیوں ہے۔ بنگالی زبان کی اساس سنسکرت پر ہے۔ اس کا سارا لٹریچر ہندوانہ ہے۔ اس کے بڑے بڑے مصنف سب ہندو ہیں۔ الغرض ہر لحاظ سے یہ ایک ہندو زبان ہے، اور یہی وجہ ہے کہ بنگالی عوام کی اکثریت میں وہ دینی جوش مفقود ہے، جو مغربی پاکستان کے مسلمانوں علی الخصوص علاقہ پنجاب کے رہنے والوں میں پایا جاتا ہے۔ زبان کے مسئلہ کا ایک سیدھا سا حل یہی ہے کہ ہر علاقہ میں وہاں کی علاقائی زبان کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا جائے لیکن سرکاری اور قومی زبان اردو ہو جو انگریزی کو رفتہ رفتہ ہٹا کر اس کی جگہ لے لے لیکن یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب کہ لوگوں کے دلوں سے صوبائی اور لسانی تعصب دور ہو جائے۔ ہمارے ملکی اور قومی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے والی ایک چیز سیاسی اختلافات بھی ہیں سیاسی اختلافات کس ملک میں نہیں ہوتے لیکن وہاں یہ اختلافات ذاتی دشمنی اور مخاصمت کی شکل کبھی بھی اختیار نہیں کرتے ہمارے ملک میں بدقسمتی سے جتنی سیاسی جماعتیں ہیں سب ایک دوسرے کی دشمن ہیں اور ان کے لیڈر ہمیشہ ایک دوسری سے دست گریبان رہتے ہیں انتخابات میں عناد و فساد کی یہ فضاء اور بھی گندی ہو جاتی ہے، اور جو فریق ہار جاتا ہے وہ فریق ثانی کا مستقل دشمن بن جاتا ہے اور جب ایک وزارت برسراقتدار آتی ہے تو مخالف پارٹی ذرا ذرا سی بات پر جا بیجا پروپیگنڈا کر کے عوام کو اس کے خلاف بھڑکاتی رہتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آئے دن نئی وزارتیں بنتی رہتی ہیں اور کسی کو سکون و اطمینان سے کام کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہمارے زعما اور نام نہاد لیڈروں کی بھاری اکثریت خلوص و صداقت سے عاری اور ذاتی اقتدار کی طالب ہے اور ان میں سے جو لوگ واقعی خلوص سے قوم کی خدمت کرنا چاہتے ہیں ان کی اس خود پرست اکثریت کے سامنے کچھ پیش نہیں جاتی اور وہ کرسی

وزارت حاصل کرنے کے بعد بھی قوم کی کوئی خدمت نہیں کرسکتے دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمارے عوام میں جہالت کی وجہ سے ابھی سیاسی شعور ہی پیدا نہیں ہوا اور وہ قوم و ملک کے سچے خادموں اور اقتدار پسند مفسدوں میں قطعاً امتیاز نہیں کرسکتے۔ ان تمام مصیبتوں کا علاج صرف یہ ہے کہ عوام میں سیاسی شعور پیدا کیا جائے لیکن یہ کام صرف وہ معدودے چند مقررین اور اخبارات کرسکتے ہیں جنہوں نے سیاسی لیڈروں سے ذاتی منافع حاصل کرنے کے لیے اپنا ضمیر فروخت نہیں کیا ہے۔

رابطہ اور اطاعت جس قوم میں اتحاد و یگانگت ہی نہ ہو اس میں رابطہ و اطاعت یعنی تنظیم و ڈسپلن پیدا نہیں ہو سکتا۔ اسلامی رابطہ و اتحاد کی تربیت گاہیں ہماری مساجد ہیں جیسا کہ بیان ہو چکا ہے جب کہ مختلف فرقوں نے اپنی اپنی مساجد ہی الگ بنالی ہوں اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ نماز پڑھنے کے بھی روادار نہ ہوں بلکہ ایک دوسرے کا سر پھوڑنے کو تیار رہتے ہوں تو رابطہ و اطاعت کی نشوونما پانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لیے ان دو اصولوں کی مٹی جو اس وقت پلید ہو رہی ہے اس کا ذکر تحصیل حاصل سمجھتے ہوئے عمل کا کچھ بیان کیا جاتا ہے

عمل عمل کی اصل محرک خواہش ہے اور خواہشیں لا تعداد ہیں اس لیے صرف چند محرکات عمل کا بیان کیا جاتا ہے

عمل کی سب سے بڑی محرک بھوک پیاس اور سردی گرمی سے بچنے کی ضرورت ہے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے خدا اور رسول ﷺ نے سب سے زیادہ زور تجارت پر دیا ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ دس حصوں میں سے نو حصے رزق تجارت میں ہے اسی لئے ہمارے اسلاف کسب معاش کی خاطر زیادہ تر تجارت ہی کرتے تھے اور سمندروں اور خشکی کے راستے معلومہ دنیا کے آخری گوشوں تک جا پہنچے تھے۔

عمل کا دوسرا محرک حصول علم ہے، علم سے مراد کتابیں پڑھنا ہی نہیں بلکہ ملکوں اور چیزوں کے حالات اور حقیت معلوم کرنا بھی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دنیا میں سفر کرو کہ آفرینش کی ابتدا کیونکر ہوئی۔ اور یہ بھی دیکھو کہ پہلی قوموں کا انجام کیونکر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ علم حاصل کرو خواہ وہ چین میں ہو۔ چنانچہ یہ اللہ اور

رسول ﷺ کے فرمانبردار بندے محض حصول علم کے لیے ہزاروں میل سفر کرتے اور کسی تکلیف و مصیبت کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔

عمل کا تیسرا محرک تبلیغ علم ہے طبع انسانی کا فطرتی تقاضا ہے کہ جو کچھ وہ جانتا ہے چاہتا ہے کہ دوسرے بھی جان لیں چونکہ اسلام میں علم کا اصلی سرچشمہ قرآن اور رسول خدا ﷺ کے ارشادات ہیں اس لئے بے شمار بزرگ دور دراز ممالک میں پہنچ کر قرآن اور حدیث کی تبلیغ کرتے اور تہذیب اسلامی وہاں پھیلاتے تھے' ہندوستان' چین' ماچین' انڈونیشیا' افریقہ اور جنوبی یورپ کے مختلف ممالک میں انہی بزرگوں کی تبلیغ سے اسلام نے فروغ پایا۔

عمل کا چوتھا محرک قوم' تہذیب' اور ناموس کا دفاع ہے چنانچہ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں ان کے تجار اور مبلغین پر بے جا زیادتی یا ظلم وجور ہوا مجاہدین اسلام نے وہیں پہنچ کر ناموس اسلام کی حفاظت کی۔

یہ تھی ہمارے اسلاف کی حالت کہ وہ مندرجہ بالا امور کو اللہ اور رسول ﷺ کا حکم سمجھ کر بجالاتے تھے آج یہ خیال کر کے تعجب ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں جب سفر و سیاحت کے لیے نہ گاڑیاں تھیں نہ موٹریں' نہ دخانی جہاز تھے نہ ہوائی طیارے' وہ کس طرح شام' ایران عرب اور مصر وغیرہ سے نکل کر ناپیدا کنار سمندروں کے سینہ پر اپنے بادبانی جہاز اڑاتے اور بے برگ و گیاہ ریگستانوں اور پر خوف و خطر کوہستانوں میں اونٹ اور گھوڑے دوڑاتے یورپ' افریقہ اور ایشیا کے ایک ایک شہر اور قصبہ تک جا پہنچے تھے۔ الغرض یہ تھی ان کی قوت عمل اور یہی تھا ان کی ترقی اور برتری کا راز۔

اب ہم بتاتے ہیں کہ ان محرکات عمل میں سے پہلا محرک یعنی حصول رزق اگرچہ سب سے قوی ہے لیکن باقی تین محرکات سے کہیں کمتر اور ادنیٰ ہے یہ کام تو وحوش و طیور اور چوپائے بھی کر لیتے ہیں۔ پھر انسان میں اور ان میں کیا فرق ہے۔ انسان کی شرافت و فضیلت دوسری مخلوقات پر محض اس لئے ہے کہ وہ علم و عقل سے اشیا کی حقیقت معلوم کرتا قدرت کے رازوں سے پردے ہٹاتا اور جو کچھ علم و فوائد حاصل کرتا ہے ان سے دوسروں کو بھی نفع پہنچاتا ہے۔

جو قومیں پہلے محرک سے زندگی کی ضروریات حاصل کر کے مطمئن ہو جاتی ہیں علم حاصل کرنے اور اس کو پھیلانے کی کوشش نہیں کرتیں ان کی ترقی رک جاتی ہے پھر رفتہ رفتہ زوال ہوتا ہے اور آخر کار فنا ہو جاتی ہیں۔ آج کل کی متمدن اقوام نے اس راز کو بہت اچھی طرح سمجھ لیا ہے اور اب بھی جب کہ پیٹ اور جسم کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ان کے پاس دولت کے بے قیاس خزانے جمع ہو چکے ہیں اور علم و دانش کے ذریعہ قدرت کی بہت سے طاقتوں مثلاً" بھاپ، بجلی، مائیکرو ویوز اور ایٹمی طاقت پر ان کا قبضہ اور تصرف ہو چکا ہے انہوں نے اپنے افراد کو متحرک اور مصروف عمل رکھنے کے لیے دوسرے اعلیٰ مقاصد پیدا کر لئے ہیں مثلاً" چاند اور ستاروں تک پہنچنے کو اپنا مطمع نظر بنا لیا ہے لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے اس طرف توجہ نہیں کی جب ان کے پاس شکمی اور جسمی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کافی دولت جمع ہو گئی تو وہ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھے رہے اور عیش و عشرت کو اپنا مقصد آخر قرار دے کر مزید عمل کی ضرورت نہ سمجھی۔

اس تساہل اور بے عملی کا انجام یہ ہوا کہ آخر کار نہ صرف وہ دولت ختم ہوئی بلکہ عزت و عظمت اور سیادت و قیادت بھی رخصت ہو گئی یہاں تک کہ آج ملکی دفاع کا تو ذکر ہی کیا شکمی اور جسمی ضروریات پورا کرنے کے لیے بھی ہم دوسرے ملکوں کے محتاج اور دست نگر ہیں۔

سستی کاہلی اور بے عملی کی یہ وبا عیاشی و فحاشی کی شکل میں بادشاہوں کے محلات سے شروع ہو کر اعلیٰ اور اوسط درجے کے طبقات کو تباہ کرتی ہوئی عوام تک جا پہنچی جس سے پوری کی پوری قوم مفلوج ہو کر رہ گئی۔ مختلف پیشے ذلیل اور حقیر سمجھے جانے لگے اور ہر طبقے میں اپنے سے اعلیٰ طبقے کے مقابلہ میں احساس کمتری پیدا ہو گیا۔ غریب لوگ اپنا پیٹ بھرنے کے لیے کوئی نہ کوئی کام کرنے پر مجبور تھے لیکن امرا اور متوسط طبقے کے اشخاص تو خود اپنا ذاتی اور خانگی کام بھی اپنے ہاتھ سے کرنے کو باعث توہین سمجھنے لگے، ان خاندانوں کی خواتین اپنا کھانا خود پکانے، برتن مانجنے، کپڑے سینے اور دھونے اور دوسرے گھریلو کام کرنے کو ذلت اور اپنی بدقسمتی خیال کرنے لگیں چنانچہ ناکتخدا لڑکیوں کے لئے ایسی دعائیں زبان زد خاص و عام ہو گئیں جیسے کہ "بیٹی خدا کرے ایسے گھر جائے جہاں ہل کر پانی نہ پینا

پڑے" "سدا پلنگ پر بیٹھی کھائے" گویا ہل کر پانی نہ پینا اور پلنگ پر بیٹھے بیٹھے کھانا کوئی بڑی ہی خوش قسمی کی بات ہے۔ بیماروں، اپاہجوں اور مفلوجوں کا کام نہیں۔ یہی وہ لڑکیاں تھیں کہ جب شادی کے بعد انہیں خادمائیں میسر نہ آسکیں تو عمر بھر اپنی بدقسمتی پر ٹسوے بہاتی رہیں اور گھر کے ماحول کو ہمیشہ جہنم بنائے رکھا۔ یہی دوشیزائیں تھیں کہ جب مائیں بنیں تو اپنے بچوں کو حصول تعلیم کے لیے بھی اپنے گاؤں یا قصبہ کے باہر بھیجنے کو مصیبت خیال کرتی تھیں ذرا ان ماؤں کا مقابلہ قرون اولیٰ کی ان خواتین سے کیجئے جو میدان جنگ میں بھی اپنے مردوں کے ساتھ رہتیں اور ان کی ہر خدمت بجا لاتی تھیں اور جہاد کا نعرہ بلند ہوتے ہی اپنے جگر گوشوں کو خود بنا سجا کر جنگ میں بھیجتیں اور جب وہ شہید ہو جاتے تو ساری عمران پر فخر کرتیں

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ہمارے مردوں کا حال ان عورتوں سے بھی بدتر تھا یہ بھی اپنا کوئی کام اپنے ہاتھ سے نہ کر سکتے تھے۔ ہر بات میں خادموں کے دست نگر تھے۔ منہ دھونے، غسل کرنے کپڑے بدلنے حتیٰ کہ پانی پینے کھانا کھانے بلکہ پاخانے میں لوٹا تک لیجانے میں نوکروں کی ضرورت ہوتی تھی۔ ان کے مشاغل شراب اور بھنگ پینا، افیم کھانا، چرس اور چنڈو کے دم لگانا، تاش، شطرنج اور چوسر کھیلنا، مرغ اور بٹیر لڑانا، پتنگیں لڑانا اور ایسی ہی دوسری بے ہودگیاں تھیں۔ اس بے عملی کا ایک معمولی سا تصور مندرجہ ذیل واقعہ سے پیدا ہو سکتا ہے۔

بہت عرصہ کی بات ہے کہ ایک نواب صاحب کے دولت کدے پر جانے کا اتفاق ہوا۔ گرمی کا موسم اور دن کے دس بجے کا وقت۔ نواب صاحب اپنے عالیشان محل کے ایک وسیع ہال میں تشریف فرما تھے ہال کے دروازوں میں خس کی ٹٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ پانی چھڑکا اور پنکھے کھینچے جا رہے تھے (کیونکہ اس وقت تک بجلی کے پنکھے نہیں چلے تھے) ہال کے بیچ میں ایک بڑے تخت پر چاندنی بچھی اور گاؤ تکیے لگے ہوئے تھے۔ نواب صاحب ایک بہت بڑا ڈھیلا تنزیب کا کرتہ اور بڑے پانچوں کا پاجامہ پہنے ایک گاؤ تکیے سے پیٹھ لگائے بیٹھے تھے۔ تخت کے چاروں طرف کرسیاں پڑی ہوئی تھیں ہم لوگ ان پر بیٹھ گئے۔ نواب صاحب بڑی

خوش اخلاقی سے پیش آئے اور خاطر تواضع میں بے انتہا مبالغہ برتا۔ ہمیں بیٹھے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ نواب صاحب نے یکایک فرمایا "ارے کوئی ہے" چشم زدن میں کئی نوکر حضور حضور کہتے ہوئے آن کھڑے ہوئے۔ نواب صاحب نے ایک نوکر کی طرف دیکھ کر نہایت ہی نرم اور دھیمی آواز میں کہا "ذرا کھجا دین" "نوکر آگے بڑھا اور نواب صاحب کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ نواب صاحب نے فرمایا "پیٹھ پر" نوکر نے نواب صاحب کے کرتے میں ہاتھ ڈال کر ان کی پیٹھ پر رکھا تو انہوں نے فرمایا "ذرا داہنے کو' ذرا اوپر کو" ہاں ذرا اور اوپر کو" اس طرح نوکر کو وہ صحیح جگہ معلوم ہوئی جہاں کھجانا تھا اور کھجانے میں مصروف ہو گیا اس وقت تو اس بات کا احساس بھی نہیں ہوا لیکن آج خیال آتا ہے کہ اللہ اکبر' کیا حالت تھی ہمارے امرا اور روسا کی سستی اور کاہلی کی کہ وہ اپنا بدن تک کھجانے کے لیے دوسروں کے محتاج تھے پھر ایسی قوم تباہ نہ ہوتی تو اور کیا ہوتا۔ قوم کی یہ بے عملی موجودہ صدی کے ربع اول تک یونہی رہی۔ اس کے بعد کچھ حالات سدھر گئے۔ اس تبدیلی کی وجہ پہلی عالمگیر جنگ' تحریک آزادی کا جوش و خروش' غربت و افلاس کی زیادتی اور انگریزی تعلیم کا بڑھتا ہوا رواج تھا جس سے ہماری عوام و خواص کو عمل اور خود اپنا کام کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ لیکن عملی قوت جیسی ایک قوم میں ہونی چاہیے' آج بھی موجود نہیں' ہمارے نوجوانوں میں بیشتر ایسے ہیں جو اپنی زندگی کا مقصد اعلیٰ درجے کا کھانا لباس' بنگلہ اور موٹر کاروں کو سمجھتے ہیں اور ان میں سے اکثر یہ چیزیں حاصل کرنے کے لیے رشوت' جوئے' چور بازاری اور دوسرے ناپاک ذرائع سے بھی اجتناب نہیں کرتے۔ یہ لوگ زندگی کی کامیابی صرف اپنی ذاتی آرام و آسائش ہی کو سمجھتے ہیں قومی فلاح و بہبود کا تصور بھی ان کے دماغ میں نہیں ہے یہ اتنا نہیں جانتے کہ قوم تباہ ہو جائے گی تو ہم بھی تباہی سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ بے عملی کا بیان ختم ہوا۔ آئندہ شمارہ میں انشاء اللہ ان دیگر طبقوں کا بیان آئے گا جو اسباب زوال ملت کا سبب بنی۔

مرتب ایم محمد طالب

وضو کے احکام

(رانا فیصل حنیف

وضو فرض ہونے کی صورتیں۔

1 - ہر نماز چاہے فرض ہو یا سنت وضو کرنا ضروری ہے۔

2 - نماز جنازہ کے لیے وضو فرض ہے۔

3 - سجدہ تلاوت کے لئے وضو فرض ہے۔

وضو واجب ہونے کی صورتیں

1 - بیت اللہ کے طواف کے لیے وضو واجب ہے۔

2 - قرآن پاک چھونے کے لیے وضو واجب ہے۔

وضو سنت ہونے کی صورتیں

1 - سونے سے پہلے وضو کر لینا سنت ہے۔

2 - غسل کرنے سے پہلے وضو کرنا سنت ہے۔

وضو مستحب ہونے کی صورتیں

1 - اذان اور تکبیر کے لیے وضو مستحب ہے۔

2 - خطبہ پڑھتے وقت خواہ خطبہ نکاح ہو یا خطبہ جمعہ۔

3 - دین کی تعلیم دیتے وقت۔

4 - ذکر الٰہی کرتے وقت۔

5 - سو کر اٹھنے کے بعد۔

6 ۔ میت کو غسل دینے کے بعد

7 ۔ روضہ اقدس پر حاضری کے وقت

8 ۔ میدان عرفات میں ٹھہرنے کے وقت

9 ۔ صفا اور مروہ کی سعی کے وقت

10 ۔ جنابت کی حالت میں کھانے سے پہلے

11 ۔ حیض و نفاس کی حالت میں کھانے سے پہلے

12 ۔ اور ہر وقت باوضو رہنا بھی مستحب ہے ۔ اس کی بڑی فضیلت ہے

وضو میں چار چیزیں فرض ہیں اور در حقیقت انہی چار چیزوں کا نام وضو ہے ان میں سے اگر کوئی چیز بھی چھوٹ جائے یا بال برابر بھی کوئی جگہ سوکھی رہ جائے تو وضو نہ ہو گا۔

1 ۔ ایک بار پورے چہرے کا دھونا۔ یعنی پیشانی کے بالوں کی جڑ سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک سارے چہرے کو دھونا۔

2 ۔ ایک بار دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونا۔

3 ۔ ایک بار چوتھائی سر کا مسح کرنا۔

4 ۔ ایک بار دونوں پیروں کو ٹخنوں سمیت دھونا۔

وضو کی سنتیں

وضو میں چھ چیزیں سنت ہیں ۔ وضو کرتے وقت ان کا اہتمام کرنا بھی ضروری ہے اگرچہ ان کے چھوڑ دینے یا ان کے خلاف عمل کرنے والے کا بھی وضو ہو جاتا ہے ۔ لیکن قصداً" ایسا کرنا اور بار بار کرنا نہایت غلط ہے اور اندیشہ ہے کہ

ایسا شخص گنہگار ہو۔ وضو میں پندرہ سنتیں ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

1 ۔ خدا کی خوشنودی اور اجر آخرت کی نیت کرنا۔

2 ۔ چہرہ دھونے سے پہلے دونوں ہاتھ گھٹنوں سمیت دھونا۔

3 ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہہ کر وضو شروع کرنا۔

4 ۔ تین بار کلی کرنا۔

5 ۔ ناک میں تین مرتبہ پانی ڈالنا۔

6 ۔ مسواک کرنا۔

7 ۔ تین بار داڑھی میں خلال کرنا۔

8 ۔ ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں میں خلال کرنا۔

9 ۔ پورے سر کا مسح کرنا۔

10 ۔ مسنون ترتیب کے مطابق وضو کرنا۔

11 ۔ اعضاء دھونے سے پہلے داہنے عضو کو دھونا اور پھر بائیں کو دھونا۔

12 ۔ ایک عضو کے بعد فورا" دوسرے عضو کو دھونا اور ایک عضو دھونے کے بعد دوسرے عضو کے دھونے میں اتنی دیر نہ ہو کہ پہلا عضو خشک ہو جائے۔

13 ۔ ہر عضو کو تین تین مرتبہ دھونا۔

14 ۔ وضو سے فارغ ہو کر مسنون دعا پڑھنا۔ (ماخوذ از آسان فقہ)

روشنی کے مینار

حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ

(حافظ محمد یاسین)

حضرت سیدنا فاروق اعظم ایک دفعہ شام کے دورے پر تشریف لے گئے۔ حمص پہنچ کر آپ نے وہاں کے سربرآوردہ لوگوں سے کہا۔ کہ حمص کے غریبوں اور مسکینوں کی ایک فہرست بنا کر مجھے دو تاکہ بیت المال سے ان کے گزر بسر کا انتظام کیا جائے۔

فہرست تیار ہو کر جب حضرت فاروق اعظمؓ کے سامنے آئی تو اس میں سرفہرست جو نام تھا وہ حمص کے گورنر کا تھا۔ امیر المومنینؓ نے حیرانی سے پوچھا۔ اس فہرست میں گورنر کا نام کیوں درج ہے۔ یہ تو یہاں کے کرتا دھرتا ہیں۔ اور انہیں کافی معقول تنخواہ ملتی ہے۔ لوگوں نے عرض کی امیر المومنین انہیں جو کچھ ملتا ہے وہ اسی روز اسے ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ فاروق اعظمؓ یہ سن کر رونے لگے۔ فوراً ایک ہزار دینار کی تھیلی گورنر کے گھر بھجوائی کہ وہ اسے اپنی ضروریات پر خرچ کریں۔ قاصد یہ رقم لے کر جب گورنر کی خدمت میں حاضر ہوا اور تھیلی پیش کی تو بے اختیار ان کے منہ سے نکلا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ○

بیوی کے کانوں میں یہ آواز پڑی تو دوڑی ہوئی آئیں اور پوچھا خیر ہے کیا امیر المومنین نے وصال فرمایا؟ بولے نہیں اس سے بھی بڑا واقعہ ہو گیا ہے بیوی نے پوچھا کیا قیامت کی کوئی نشانی دکھائی دی ہے؟ فرمایا اس سے بھی بڑا واقعہ بیوی نے کہا کچھ بتاؤ کے آخر معاملہ کیا ہے؟

گورنر بولے دنیا فتنوں کو لے کر میرے گھر میں داخل ہو گئی ہے یہ کہہ کر گورنر نے تھیلی اٹھا کر ایک کونے میں پھینک دی۔ اور خود نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔

ساری رات عبادت کرتے رہے۔ صبح ہوئی تو انہیں بازار میں کچھ شور سا سنائی دیا۔ دروازے سے جھانک کر باہر دیکھا تو گھر کے سامنے سے اسلامی فوج گزر رہی تھی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر مجاہدین کو روکا اور تھیلی کی تمام رقم مجاہدین میں تقسیم کر دی۔ پھر فرمایا اللہ

کا شکر ہے جس نے مجھے عافیت عطا فرمائی۔

یہ نیک دل، خدا ترس اور غریب پرور گورنر حضرت سعید بن عامرؓ تھے۔ جن کا شمار حضور اکرم ﷺ کے اکابر صحابہ میں ہوتا ہے۔ حضرت سعید بن عامرؓ غزوہ خیبر سے قبل دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ قبول اسلام کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ اور پھر تمام غزوات میں شریک ہوئے اور ہر معرکہ میں جرات و جانبازی کا مظاہرہ کیا۔ آنحضور ﷺ نے وصال فرمایا تو آپ شکستہ دل ہو کر اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گئے۔ اور تمام شب و روز عبادت میں گزارنے لگے۔ لیکن شوق جہاد نے انہیں زیادہ دن گوشہ نشین نہ رہنے دیا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں جب شام کے لیے اسلامی لشکر روانہ ہوا تو حضرت سعیدؓ مجاہدین میں شامل ہو گئے۔

جنگ قنسرین میں حضرت خالد بن ولیدؓ نے جب ایک خاص مہم کے لیے دس آزمودہ کار جرنیلوں کا انتخاب کیا تو ان میں حضرت سعید بن عامر بھی تھے۔ حضرت سعید بن عامرؓ عرب میں بہادری کی علامت سمجھے جاتے تھے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی رحلت کے بعد وہ مدینہ میں تھے کہ یرموک کا معرکہ شروع ہو گیا۔ اس جنگ میں رومیوں نے اپنی ساری قوت جمع کر کے مسلمانوں کے مقابلے میں لا ڈالی تھی۔ مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اس لیے مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت ابو عبیدہؓ نے دارالخلافہ میں مدد طلب کی۔ ان کا پیغام ملتے ہی حضرت فاروق اعظم نے حضرت سعید بن عامرؓ کی قیادت میں ایک ہزار سواروں کا دستہ یرموک روانہ کر دیا۔ حضرت سعید بن عامرؓ جلد ہی ایک ہزار جانبازوں کے ساتھ حضرت ابو عبیدہ کے ساتھ جا ملے۔

ان کے آنے سے مسلمانوں کو بڑا حوصلہ ملا۔ اور انہوں نے ایک نئے عزم کے ساتھ جنگ کی تیاری شروع کر دی اس ہولناک جنگ میں حضرت سعید بن عامر نے حیرت انگیز شجاعت اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔ میدان کارزار میں وہ کئی بار رومیوں کے نرغے میں آئے لیکن ان کی شمشیر زنی نے ہر بار دشمن کا حصار توڑ دیا سخت سے سخت موقع پر بھی ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔

یرموک کے معرکے سے فارغ ہو کر حضرت سعیدؓ پھر مدینہ آ کر گوشہ عبادت میں

بیٹھ گئے ۔ اتفاق سے انہی دنوں حمص کے گورنر عیاض بن غنم نے وفات پائی ۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے حضرت سعید ؓ کو اپنے پاس بلایا اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ عیاض بن غنم وفات پا گئے ہیں حمص میں ان کی جگہ خالی پڑی ہے ۔

میں نے انتہائی سوچ بچار کے بعد امارت کے لیے تمہیں منتخب کیا ہے ۔

امیر المومنین ؓ کا یہ اشارہ سن کر حضرت سعید بن عامر ؓ نے عرض کی ۔ امیر المومنین میں اس عہدے کے لائق نہیں ہوں ۔ خدارا مجھے اس فتنے میں نہ ڈالیں میں نے اپنے لیے جو گوشہ عبادت اختیار کیا ہے مجھے اس میں رہنے دیجئے ۔ حضرت سعید بن عامر ؓ کی یہ بات سن کر حضرت فاروق اعظم ؓ نے تیز لہجے میں فرمایا ۔ تم لوگوں نے خلافت کی ذمہ داری کا قلاوہ تو میری گردن میں ڈال دیا ہے لیکن خود کوئی ذمہ داری قبول کرنے سے گریز کرتے ہو ۔

اللہ کی قسم میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا ۔ تمہیں حمص کی امارت ضرور سنبھالنی ہو گی ۔ حضرت سعید ؓ نے بار بار معذرت کی ۔ لیکن فاروق اعظم ؓ اپنے انتخاب پر قائم رہے ۔ آخر امیر المومنین کے کہنے پر انہوں نے یہ ذمہ داری قبول کرلی لیکن جب قصر خلافت سے باہر آئے تو ان کا حال یہ تھا کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے جیسے وہ کسی بہت بڑے امتحان میں ڈال دیئے گئے ہوں ۔ حضرت سعید ؓ حضرت فاروق اعظم ؓ کے اصرار پر حمص گئے تو انہوں نے اپنے فرائض امارت اس خوبی سے انجام دیئے کہ سب لوگ ان کے گرویدہ ہو گئے ۔ ان کے حسن انتظام کی خبریں حضرت فاروق اعظم تک پہنچیں تو وہ بہت خوش ہوئے ایک بار جب حضرت سعید ؓ مدینہ منورہ آئے تو امیر المومنین ؓ نے ان سے پوچھا سعید شام کے لوگ تمہیں اس قدر کیوں چاہتے ہیں ۔ عرض کی امیر المومنین میں گلہ بانی کے ساتھ گلہ کی غمخواری بھی کرتا ہوں ۔ حضرت سعید ؓ کے اس جواب میں کوئی مبالغہ نہ تھا انہیں جس قدر تنخواہ ملتی تھی وہ اس میں سے چند درہم اپنے ضروری اخراجات کے لیے رکھ لیتے اور باقی سب رقم گھر پہنچنے سے پہلے غریبوں میں تقسیم کر دیتے ۔ ایک روز کچھ لوگ وفد کی صورت میں حضرت سعید کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے اے امیر ہم نے آپ کو ہمیشہ مفلس اور غریب پایا ہے ۔ آپ پر آپ کے کنبے کا بھی کچھ حق ہے اپنا ہاتھ اتنا کشادہ نہ رکھیں اپنے اہل و عیال کا بھی کچھ خیال کریں ۔ حضرت سعید نے فرمایا یہ بات میرے بس میں

نہیں مجھے اپنے لیے فقر ہی پسند ہے میں نے اپنے آقا اور مولا حضرت محمد ﷺ سے سنا ہے کہ اہل فقر مومنین دوسرے لوگوں سے ستر سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ ایک دفعہ حمص کے بعض لوگوں نے جو کسی وجہ سے حضرت سعیدؓ سے خوش نہ تھے۔ امیرالمومنین کی خدمت میں شکایت لکھ کر بھیجی جس میں ان کے خلاف یہ چار الزامات درج تھے۔ (1) جب تک کافی دن نہیں نکل آتا حضرت سعیدؓ گھر سے باہر نہیں نکلتے (2) کوئی آدھی رات کو آواز دے وہ جواب نہیں دیتے۔ (3) انہیں کبھی کبھی بے ہوشی کے دورے پڑتے ہیں۔ جس سے خیال ہوتا ہے کہ وہ کسی سخت قسم کی بیماری میں مبتلا ہیں۔ (4) مہینے میں ایک بار وہ دن کا بیشتر حصہ اپنے گھر میں گزارتے ہیں۔

یہ شکایت جب حضرت فاروق اعظمؓ کے پاس پہنچیں تو انہوں نے حضرت سعید بن عامرؓ کو مدینہ میں طلب کر لیا۔

حمص کا یہ گورنر مدینہ منورہ میں اس شان سے حاضر ہوا کہ اس کی قمیض پر جا بجا پیوند لگے ہوئے تھے۔ ایک ہاتھ میں عصا اور دوسرے میں پیالہ تھا۔

امیرالمومنین نے پوچھا کیا تمھارے پاس بس یہی سامان ہے؟ عرض کیا۔ یا امیر المومنین اس سے زیادہ مجھے کسی چیز کی حاجت نہیں۔ عصا پر اپنا زاد راہ لٹکا تا ہوں۔ پیالے میں کھاتا ہوں یہ سن کر فاروق اعظمؓ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ دل ہی دل میں دعا کرتے کہ اے اللہ! حضرت سعیدؓ کے بارے میں میرے نیک گمان کو غلط ثابت نہ کرنا۔ پھر ان کے سامنے اہل حمص کی شکائیتں دہرائیں اور پوچھا تمھارے پاس ان کا کیا جواب ہے؟ حضرت سعیدؓ نے عرض کی۔ یا امیرالمومنین۔ اللہ کی قسم میں ان چیزوں کا ذکر پسند نہیں کرتا۔ لیکن آپ دریافت فرماتے ہیں تو عرض کرتا ہوں۔

(1) - میں صبح سویرے اس لیے باہر نہیں نکلتا کہ میرے پاس کوئی خادم نہیں ہے۔ میں اپنی اہلیہ کے ساتھ مل کر گھر کا کام کرتا ہوں آٹا گوندھتا ہوں اور روٹی پکاتا ہوں اس دوران میری اہلیہ دوسرے ضروری کاموں میں مصروف رہتی ہے میں کام سے فارغ ہوتے ہی لوگوں کی خدمت کے لیے باہر نکل آتا ہوں۔

(2) - رات کو میں اس لیے جواب نہیں دیتا کہ میرا سارا دن اللہ کی مخلوق کی خدمت میں گزر جاتا ہے۔ اور مجھے اپنے اللہ کے حضور اطمینان کے ساتھ حاضر ہونے کا

موقع نہیں ملتا اس لیے میں نے رات کا وقت اللہ کی عبادت کے لیے وقف کر رکھا ہے۔

(3) ۔ بے ہوشی کے دورں کے سلسلے میں یہ عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مجھے کوئی بیماری لاحق نہیں لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے جب حضرت عبیدؓ بن عدی کو مشرکین نے صلیب پر چڑھایا تھا۔

اتفاق سے میں اس وقت وہاں موجود تھا۔ انہیں جس بیدردی سے شہید کیا گیا وہ منظر جب بھی میری نگاہوں کے سامنے آتا ہے میں بے ہوش ہو جاتا ہوں۔

(4) ۔ اب رہی یہ بات کہ میں مہینے میں ایک دن گھر سے باہر نہیں نکلتا تو عرض یہ ہے کہ میرے پاس کپڑوں کا صرف ایک ہی جوڑا ہے مہینے میں ایک دفعہ میں اپنے کپڑے ضرور دھوتا ہوں جب وہ سوکھ جاتے ہیں تو انہیں پہن کر باہر آ جاتا ہوں اس میں دن کا کچھ حصہ گزر جاتا ہے۔

حضرت سعید بن عامرؓ کے یہ جواب سن کر حضرت فاروق اعظمؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپؓ نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ سعید اللہ کا شکر ہے کہ تمھارے بارے میں میرا گمان صحیح ثابت ہوا۔ اب تم حمص واپس جاؤ اور اسی طرح اللہ کی مخلوق کی خدمت میں مشغول ہو جاؤ۔ حضرت سعید بن عامرؓ نے عرض کی۔ اے امیرالمومنین اب مجھے اس بار امارات سے سبکدوش کر دیجئے میری خواہش ہے کہ اب میں گوشہ تنہائی میں اپنے اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔ حضرت سیدنا عمر فاروقؓ نے یہ پیارے کلمات ارشاد فرمائے اللہ کی قسم تمہیں حمص ضرور واپس جانا ہو گا تمہارے جیسا گلہ بان اور غم خوار اہل حمص کو میسر نہیں آ سکتا

آخر حضرت فاروق اعظمؓ کے اصرار سے مجبور ہو کر واپس حمص تشریف لے گئے لیکن چند ہی روز گزرے تھے کہ آپ بیمار ہو گئے اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملے یہ سن 19 ہجری یا 21 ہجری کی بات ہے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر مبارک چالیس برس تھی۔ رضی اللہ عنہ

(شکریہ ماہنامہ درویش

قرآن کریم کا شاعر

(عبدالرشید ساہی)

علامہ اقبالؒ نے اپنا تمام کلام قرآن مجید کو مدنظر رکھ کر پیش کیا ہے اور اپنی فی المقدور کوشش کی ہے کہ قرآن حکیم کی مطابقت کے بغیر کوئی لفظ بھی تحریر نہ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی سے وہ اس میں بڑی حد تک کامیاب و کامران رہے ہیں۔ ہر اس شخص کے نزدیک قرآن دانش و حکمت کا سب سے بڑا اور لازوال سرچشمہ ہے جس کا اس امر پر یقین کامل ہے کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ یہی حال خود علامہ اقبالؒ کا ہے جب انہوں نے فکری زندگی میں بلوغت حاصل کی تو انہیں احساس ہوا کہ اب وہ زندگی کے اسرار کو سمجھنے کے کس حد تک اہل ہیں تو ان کا دل بول اٹھا کہ وہ دانش جو قرآن سے فیض حاصل نہیں کرتی ناقص ہے اور اس لیے ناقص ہے کہ وہ محدود ذہن اور فانی وجد کی پیدا کردہ ہے۔ اولاد آدم کی ہمہ جہتی فلاح فقط قرآنی ہدایت ہی کی مدد سے ممکن ہے۔ اسی کامل یقین کی بنا پر انہوں نے اسرار خودی میں بحضور رسالتمآب ﷺ التجا پیش کی کہ میں جو کچھ امت محمدیہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں بلکہ جو کچھ پورے عالم انسانیت کی نذر پیش کر رہا ہوں وہ قرآن ہی کی روشنی میں نظر کر رہا ہوں اگر میں کوئی ایسی حکمت۔ ایسی دانش۔ ایسی فکر اور ایسا اصول پیش کروں جو قرآن کے مخالف ہو تو پھر میں ایک ایسا مجرم ہوں جسے قیامت کے روز بڑی سے بڑی سزا ملنی چاہیے اور پھر یہ خود ہی فرما دیا کہ ان کے لیے اس سے بڑی سزا کیا ہو سکتی ہے کہ انہیں قیامت کے روز حضور اکرم ﷺ کی زیارت اور بوسہ پا کی سعادت سے محروم کر دیا جائے یہ التجا اور اعلان انہوں نے 1915ء میں کیا تھا اس وقت علامہ اقبالؒ کی عمر 45 برس تھی۔ علامہ اقبالؒ کی شاعری کو جیسے انہوں نے حکمت کا پیراہن پہنا کر امت مسلمہ کی خدمت میں پیش کیا۔ قرآنی ہدایت اور قرآنی نور کے آئینہ سے دیکھنا چاہیے انہوں نے زبور عجم میں وضاحت کر دی کہ وہ کوئی عام شاعر نہیں ہر وہ شخص جو ایسی بات ان کے بارے میں سوچے وہ ناکارہ شخص ہے ان کا دعویٰ ہے کہ وہ وہی

داستان سنا رہے ہیں جو حضرت جبریل علیہ السلام نے سنائی تھی۔ علامہ اقبالؒ کے شاعری کے بارے میں کئی ایسے افراد سے بات ہوئی جو علامہ اقبالؒ کی شاعری میں کیڑے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ان کا خیال ہے کہ اقبالؒ کو محض کسی کی سفارش کے تحت مشہور کیا گیا اور ان کے کردار پر بھی بے حد تنقید کرتے ہیں حالانکہ ان میں کوئی صداقت نہیں وہ محض نفرت برائے نفرت کی وجہ سے کرتے ہیں۔ یہ جو مضمون میں آپ دوستوں کی نظر کر رہا ہوں اس کو میں نے بڑی شدید ضرورت محسوس کرتے ہوئے لکھا ہے تاکہ ان عاقبت نا اندیش لوگوں کو علامہ اقبال کی شاعری سے حقیقی طور پر آگاہ کروں اور ان کی آنکھوں پر سے تعصب کے پردے ہٹاؤں تاکہ ان کو علامہ اقبالؒ ایک بہترین محسن کے روپ میں دکھائی دیں امید کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ کاوش ان کے لیے سود مند ثابت ہو گی۔ کاش عقل کے ان اندھوں کو معلوم ہو جائے کہ دین اسلام نبی مکرم ﷺ کی اداؤں کا نام ہے اور آپ ﷺ کے عشق میں علامہ اقبالؒ نے کیسے جذبات خیالات اور احساسات کا اظہار کیا ہے فرماتے ہیں۔

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآن ، وہی فرقان ، وہی یاسیں ، وہی طٰہٰ

ایک اور جگہ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

علامہ اقبالؒ کا موقف یہ تھا کہ آپ ﷺ پر قرآن کے معنی ہی نہیں بلکہ آپ ﷺ کے قلب اطہر پر قرآن کے الفاظ اترے تھے۔ اور یہ وہی الفاظ ہیں جو ہمیں قرآن میں نظر آرہے ہیں اور وہ الفاظ اللہ کے فرشتہ امین لائے تھے۔ یہ ہرگز ممکن نہیں کہ قاصد نے بے الفاظ خیال لیا اور آگے بے الفاظ ہی منتقل کر دیا۔ خالی بندے اور خدا کا مسئلہ ہوتا تو بات اور تھی مگر یہاں تیسرا وجود بھی ہے جو واسطہ ہے یعنی فرشتہ جبریل امین علیہ السلام۔ فقیر سید وحید الدین کہتے ہیں ایک دفعہ علامہ اقبالؒ بڑے شگفتہ موڈ میں تھے میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سوال کیا کہ ڈاکٹر صاحب آپ شعر کیسے کہتے ہیں؟ کہنے لگے تم نے

بڑا دلچسپ موضوع چھیڑ دیا فرمانے لگے جب مجھ پر شعر کہنے کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو مجھ پر شعر پورا اترتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ علامہ اقبال ؒ کی شاعری آفاقی اور الہامی شاعری ہے ۔

اگر قرآن کا محض مفہوم ہی وحی نہیں ہوا بلکہ لفظ بھی وحی ہیں تو پھر قرآن فقط معنا" ہی نور و برکت اور شفا و محبت نہیں لفظا" بھی ہے ۔ قرآن کے معنی ہی دلوں کی میل ' تاریکی اور بیماری دور نہیں کرتے خود الفاظ میں بھی ایسی مبارک اور نورانی تاثیر ہے کہ مفہوم سے بالا بالا بھی اپنا اثر اور فیض عطا کر جاتے ہیں بشرطیکہ فطرت صالح ہو اور دیدہ دانستہ حق کو جھٹلانے کا لپکا اور لٹکا لاحق نہ ہو ۔ نیت کی کجی اور ہٹ دھرمی نے اندھا نہ کر رکھا ہو ہوس حاوی نہ ہو چنانچہ "ارمغان حجاز" میں علامہ اقبال ؒ نے "دختران ملت" کو خطاب کرتے ہوئے اس حقیقت پر حضرت عمر بن خطاب ؓ کے واقعہ قبول اسلام کے حوالے سے روشنی ڈالی ہے تاریخ گواہ ہے اور کتب حدیث شاہد ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب کفر کے عالم میں اس نیت کے ساتھ حضور ﷺ کی طرف جا رہے تھے کہ جا کے آپ ﷺ کا کام تمام کر دیں مگر راستے میں انہیں بتایا گیا کہ ان کی حقیقی ہمشیرہ بھی اسلام قبول کر چکی ہے ۔ للذا انہیں پہلے گھر کی خبر لینی چاہیے وہ ہمشیرہ سے نمٹنے کے لیے گھر گئے جب ہمشیرہ کی زبان سے قرآن کے الفاظ سنے تو اُن کا دل جو پتھر تھا موم ہو گیا ابھی کلمہ تو پڑھا نہیں تھا ۔ قرآن کی حقانیت پر ایمان نہ لائے تھے ابھی اس عقیدے کے مالک ۔ نہ تھے کہ قرآن کتاب ہدایت ہے وہ تو الفاظ کے سوز اور اسلوب بیان پر ہی مر مٹے اور پھر بیتابی کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر قدموں میں گر پڑے حضرت عمر ؓ کتاب حکیم کے الفاظ ہی سن کر مان گئے کہ یہ کوئی عام قسم کا علم نہیں ۔ تقدیر عمر قرآن کے الفاظ کے سوز سے کچھ کی کچھ ہو گئی ۔ حضور اکرم ﷺ کے قتل کا ارادہ رکھنے والا شخص حضور ﷺ کے جلیل ترین اصحاب ؓ میں شمار کیا جانے لگا اونٹوں کی نگہبانی کرنے والا شخص خلیفہ رسول بنا ۔ امیر المومنین کہلائے اور دنیا کے لیے اجتماعی قوت ' عدل گستری ' کفالت عامہ اور حسن انتظام کی روشن ترین مثال چھوڑ گئے ۔ گویا علامہ اقبال ؒ کے نزدیک قرآن حکیم جہاں کتاب ہدایت ہونے کے باعث عمل کا تقاضا کرتا ہے وہاں وہ اپنے پورے پیکر کی رو سے نور شفا اور برکت بھی ہے وہ پیکر

نفی بھی ہے لہٰذا حسب مقدور بے علم بھی فائدہ حاصل کرتے رہتے ہیں کسی بزرگ سے یہی سوال کیا گیا کہ مطالعہ قرآن ناظرہ یعنی فہم مطالب کے بغیر کوئی فائدہ دیتا ہے تو اس بزرگ نے جواب دیا تھا کہ اگر آپ کوئی دوا کھائیں جس کے اجزاء اور اس کے اجزاء کے خواص کا آپ کو علم نہ ہو تو کیا وہ دعا اثر نہیں کرتی ۔ دختران ملت کو خطاب کرتے ہوئے حضرت علامہ ؒ نے فرمایا تھا۔

بہ قرآن باز خواں اہل نظر را

اہل نظر کی شرط محض شاعرانہ ضرورت یا قافئے کی مجبوری نہ تھی ۔ اللہ کی نشانیوں کو اہل نظر ہی پہچانتے ہیں اور جب ان تک شمع ہدایت پہنچتی ہے تو وہ آنکھیں بند نہیں کر لیتے جن کا دل روشن ہو ان کی آنکھوں کی بصارت بڑی بابصیرت ہوتی ہے بعض اوقات ایسے انسان ان پڑھ ہونے کے باوجود وہ کچھ جانتے ہیں کہ ظاہری روشن آنکھوں کے مالک دیکھتے رہ جاتے ہیں علامہ فرماتے ہیں۔

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

اقبال ؒ مدرسوں نے دانش تو عام کر دی
کمیاب ہو گیا ہے جذب قلندرانہ

علامہ اقبال ؒ فرماتے ہیں کہ حسی قویٰ کے علم سے تحلیل و تجزیہ کر کے اصول اخذ کرنا عقل کا کام ہے مگر اس اصول پر قائم ہو جانا، ہر طرح کی قربانی دینا، جان تک دے دینا، یہ مرحلہ عقل کی قلم رو سے باہر ہے یہ مرحلہ ایمان کا مرحلہ ہے اور یہ مرحلہ قلب کی ہدایت اور فیصلے کے بغیر نہ حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی طے ہوتا ہے ایمان ہی کی مزید لطیف اور شدید صورت عشق ہے گویا عقل تو معلومات حاصل کرنے تک اور تجزیہ و تحلیل تک رہ گئی جنون و عشق بننے کی ساری کیفیتیں اس سے آگے کی ہیں علامہ اقبال ؒ فرماتے ہیں۔

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا ہوں
میرے مولا مجھے صاحب جنون کر

عقل راستہ ضرور بتاتی ہے مگر نشان منزل کا پتہ نہیں دیتی ۔ منزل مقصود تک

رسائی دماغ سے نہیں دل کی مدد سے ممکن ہوتی ہے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں۔ "اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے جب وہ پختہ عزم ہو گئے تو بولے ہمارا پروردگار وہی تو ہے جو زمین و آسمانوں کا پروردگار ہے" ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے "لیکن اللہ نے تمھارے لیے ایمان کو محبوب بنا دیا اور اسے تمھارے دلوں میں سجا دیا"

علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

دل بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری نہ میری ضرب ہے کاری

اللہ، فرشتہ، وحی، رسالت اور رسول کو سمجھنا عقل کے بس کی بات نہیں اللہ کی طرف سے آنے والے نور کو اس نور کی مدد سے پہچانا جاسکتا ہے جو "نفخت فیہ من روحی" کی بدولت انسان کے اندر موجود ہے اور اس کا مقام قلب ہے مرشد بھی اللہ کے پیار و محبت والی بوٹی دل ہی میں لگاتے ہیں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

ہے نور تجلی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل تو نرا صاحب ادراک نہیں ہے

وحی کا رابطہ اگر براہ راست قلب سے ہو تو بات سمجھ میں آگئی۔ ورنہ الفاظ کی ایک نادر ترکیب سے زیادہ کچھ نہیں یہ ٹھیک ہے کہ خود وحی کا حکم یہ ہے کہ غور و فکر کرو، عقل کو کام میں لاؤ، شعور کی شمع جلاؤ مگر پہلے خود وحی پر ایمان بالغیب ہو تو بات بنے مطلب یہ ہے کہ عقلی دلیلوں، منطق کے اصولوں اور فلسفے کی باریکیوں سے ایمان نہیں سیکھا جاسکتا اسی لئے علامہ فرماتے ہیں۔

تیرے ضمیر پر جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

مگر ضمیر پر قرآن کس طرح نازل ہو کیسے تیار ہو علامہ اقبال کے والد ماجد نے اس کی تشریح کی ہے وہ فرماتے ہیں جتنا کوئی مومن اپنے آپ کو حضور ﷺ کے رنگ میں رنگتا چلا جائے گا اتنا ہی قرآن مجید اس پر نازل ہوتا رہے گا کیونکہ جب آپ ﷺ تشریف لائے زندگی نے اپنا مقصود پالیا انسانیت اپنی معراج کمال کو پہنچی اور باب نبوت بند ہو گیا، معراج

انسانیت کی تکمیل ہو گئی۔

علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے میں ایک اعلیٰ کاوش کی ہے ان کی شاعری قرآن کے زیر سایہ قرآنی تفسیر کا درجہ رکھتی ہے جس طرح ایمان لانے کے لئے "اقرار بلسان و تصدیق بلقلب" زبان سے اقرار کرنا اور دل سے اس اقرار کی تصدیق کرنا شرط ہے اس ضمن میں علامہ فرماتے ہیں۔

زباں سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

علامہ اقبالؒ نے قرآن حکیم میں غوطہ زنی کی ہے اور اس میں سے لعل و جواہر تلاش کر کے اشعار کی شکل میں قوم کے سامنے پیش کئے ہیں خدائی رازوں پر سے پردہ اٹھایا ہے فرماتے ہیں ایک رات میں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے بہت رو کر عرض کی اے خدا!! مسلمان دنیا میں کیوں اس قدر ذلیل و خوار ہو رہے ہیں کیوں ان کے مقدروں میں بدبختی لکھ دی گئی ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے اقبال! کیا تو اس حقیقت سے آگاہ نہیں کہ تیری قوم کے افراد اپنے سینوں میں دل تو رکھتے ہیں لیکن وہ ہمارے محبوب کی محبت سے خالی ہیں پھر انہیں سربلندی کیسے نصیب ہو سکتی ہے۔

اقبال نے قرآن کا فلسفہ حیات شاعری کی دلفریبی سے دامن بچا کر صاف لفظوں میں پیش کر دیا اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے۔ "زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے" علامہ نے یوں ترجمہ فرمایا ہے۔

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

قرآن مجید کی رو سے انسان کی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ وہ سرکار نبی مکرم ﷺ کی غلامی اختیار کر لے تاکہ اللہ کی زمین کا وارث بن سکے یعنی خلافت و نیابت الٰہیہ کے مرتبہ پر فائز ہو سکے وراثت ارضی اللہ کے صالح بندوں کے لئے مخصوص ہے اور صالحیت کا رنگ صرف سرکار دو عالم ﷺ کی غلامی اور کامل اتباع کی بدولت پیدا ہوتا ہے اور اتباع رسول ، عشق رسول کے بغیر ناممکن ہے علامہ فرماتے ہیں۔

مسلم از عاشق بنا شد کا فراست

نام نہاد صوفی اور ملا اقبال کے جذبات کی گہرائی کا اندازہ نہیں کر سکتے وہ دونوں دنیا طلبی میں منہمک ہیں اور خدا اور رسول کی محبت سے بیگانہ ہیں وہ کیا جانیں محبت کسے کہتے ہیں محبت تو محبوب کی اداؤں پر مرمٹنے کا نام ہے زبانی کلامی دعوے کرنے سے محبوب کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ اس مقام کو پانے کے لیے جانوں کے نذرانے دیئے جاتے ہیں اس کیفیت کو حاصل کرنے کے لیے کسی مرشد کامل کی رہنمائی اشد ضروری ہے جس طرح کتابوں کے مطالعہ اور علماء کی صحبت سے عقل بڑھتی ہے۔ اسی طرح پابندی شریعت اور عاشقون کی صحبت سے عشق کی آگ بھڑک اٹھتی ہے پس تو اللہ والوں کی صحبت اختیار کر تاکہ تیرے دل میں سوز و گداز پیدا ہو اور تو مقصد حیات حاصل کر سکے اللہ والوں کی صحبت سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا عشق عطا ہوتا ہے ایسا عشق کہ عقل اس کی بلندی پرواز کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

علامہ فرماتے ہیں۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشہ لب بام ابھی

واضح ہو کہ انسان کے حقیقی دشمن پانچ ہیں (۱) شہوت (۲) غصہ (۳) فریفتگی (۴) حرص (۵) تکبر چونکہ یہ پانچوں دشمن دوستوں کی شکل میں آتے ہیں اس لئے انسان ان سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ دنیا میں عشق ہی وہ طاقت ہے جس کی بدولت انسان اپنے ان پانچوں دشمنوں کو زیر کر سکتا ہے چونکہ انسان کی روحانی ترقی انہی دشمنوں کو مغلوب کرنے پر موقوف ہے اس لئے عشق ہر طالب حقیقت کے لیے لازمی ہے اور تصوف انہی دشمنوں کے زیر کرنے کا دوسرا نام ہے زندگی کی دل کشی اور اس کا وجود اس پر موقوف ہے زندگی سے عشق کو خارج کر دیا جائے تو زندگی ختم ہو جائے گی پھر انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں رہے گا جس طرح باد سحر گاہی، گلوں کی تازگی اور زندگی بخشتی ہے اسی طرح عشق انسان کو حقیقی زندگی عطا کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے ارشار فرمایا ہے۔ کہ "مومن کی شدت محبت اپنے اللہ سے ہوتی ہے" اور اسی شدید محبت کا نام ہی عشق رکھا گیا ہے علامہ اقبال"

فرماتے ہیں۔

تیرا امام بے حضور تیری نماز بے سرور
ایسے امام سے گزر ایسی نماز سے گزر

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے کہ "اسلام میں سارے کے سارے داخل ہو جاؤ" لیکن وہ اسلام جو ہم نے اپنا رکھا ہے یہ کون سا اسلام ہے؟ جس میں نمازیں بھی ادا ہو رہی ہیں حجاج اکرام کی تعداد بھی دن بدن بڑھتی جا رہی ہے نت نئی اعلیٰ سے اعلیٰ مساجد تعمیر ہو رہی ہیں دینی علوم حاصل کرنے کے لیے لاتعداد مدارس معرض وجود میں آچکے ہیں روزوں کی پاسداری بھی بہت ہوتی ہے غرض کہ ہر قسم کی عبادات کی فراوانی ہے لیکن اخلاق کا گراف دن بدن گرتا چلا جا رہا ہے قتل ہو رہے ہیں ڈکیتیاں ہو رہی ہیں عصمت دری ہو رہی ہے فراڈ ہو رہے ہیں۔ سمگلنگ ذخیرہ اندوزی دھوکہ بازی وعدوں کی خلاف ورزی ہو رہی ہے انسان ہی انسان کے خون کا پیاسا نظر آتا ہے رشتوں کا پاس ختم ہو چکا ہے خون سفید ہو چکا ہے بے حیائی اور عریانی کی وباء عام ہو چکی ہے ہر طرف گروہی، لسانی اور مسلکی جھگڑوں کی آندھیاں چل رہی ہیں ملت اسلامیہ کا شیرازہ بری طرح بکھر چکا ہے ان تمام بیماریوں کا صرف اور صرف ایک ہی علاج ہے اور وہ ہے اللہ سے شدید محبت جیسی نبی مکرم و محترم ﷺ نے اپنی تریسٹھ سال عمر میں عملی طور پر کرکے دکھائی اس پاک جذبہ کے حصول کے لیے کسی اللہ والے سے رہنمائی حاصل کریں اور ولی کامل سے تزکیہ نفس کے لئے کوئی مجرب اور اکسیر نسخہ حاصل کریں پہلے قلب کی صفائی کروائیں پھر اللہ کی کتاب کا علم اور حکمت حاصل ہو سکے گی۔ کیونکہ قرآن تو صرف متقین کو راہ دکھاتا ہے اور اسے وہی چھو سکتے ہیں جو ظاہری اور باطنی طور پر پاک ہوں۔ محرم راز درون میخانہ علامہ اقبال نے فرمایا
۔

محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے
کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے
محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے بیج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے

نومسلم کا تعارف

سر جلال الدین لاڈر برنٹن (انگلستان)

سر جلال الدین لاڈر برنٹن آکسفورڈ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل تھے وہ انگلستان کے ایک ممتاز جاگیردار گھرانے سے تعلق رکھتے اور زبردست عزت و افتخار اور نیک نامی کے حامل تھے۔

قبول اسلام کی وجوہات بیان کرتے ہوئے میں اللہ تعالیٰ کا بے پناہ شکر ادا کرتا ہوں آج میرا دل مسرت و انبساط کے ایسے جذبات سے بھرپور ہے جنہیں میں بیان کرنے پر اپنے آپ کو قادر نہیں پاتا۔

میرے والدین عیسائی تھے وہ مجھے ابتدا ہی سے پادری بنانا چاہتے تھے۔ چنانچہ میں نے عیسائیت کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی اور فارغ ہونے کے بعد چرچ آف انگلینڈ سے وابستہ ہو گیا لیکن سچی بات یہ ہے کہ اس کام میں کبھی گہری دلچسپی نہ لے سکا۔ کچھ عرصے کے بعد مجھے جس عقیدے نے زیادہ پریشان کرنا شروع کیا وہ انسان کے ازلی گنہگار ہونے کا عقیدہ تھا پھر اس پر یہ تصور کہ معدودے چند افراد کے سوا باقی ساری مخلوق دائمی عذاب سے دوچار ہو گی یہ نظریات اتنے مکروہ تھے اور مجھے ان سے اتنی گھن آتی تھی کہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد میں تقریباً" بے دین ہو گیا۔ مذہب کا سارا ڈھانچہ میری نظروں میں مشکوک ہو گیا میں اکثر سوچتا ہوں کہ انسان خدا کا شاہکار ہے یہ ساری مخلوقات پر برتری رکھتا ہے۔ یہ تصور تو براہ راست خالق کائنات پر اتہام کی حیثیت رکھتا ہے اور اس آئینے میں تو اس کی تصویر کچھ ایسی پسندیدہ نہیں ہے۔ میں اگرچہ اب بھی موہوم انداز میں خدا پر یقین رکھتا تھا لیکن خدا تعالیٰ کی کنہ تک پہنچنے کے لئے میں نے دوسرے مذاہب کا مطالعہ شروع کیا۔ اسلام کے مطالعے کی ابتداء ہی سے یہ راز مجھ پر کھل گیا کہ یہ مذہب انسانی فطرت کے قریب ہے۔ شکوک و

تثلیثات کی گرہیں کھلتی چلی گئیں اور میرے اندر سچے خدا کی عبادت اور خدمت کا جذبہ پیدا ہونے لگا میں نے دیکھا کے عیسائیت کے سارے عقائد کی بنیاد بائبل کی تعلیمات پر استوار بتائی جاتی ہے مگر ان میں تو زبردست تضاد پایا جاتا ہے کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ بائبل اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تعلیمات تحریف کا شکار ہو چکی ہیں؟ اس سوال کا جواب پانے کے لئے میں نے بائبل کا گہرا مطالعہ جاری رکھا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ واقعی یہ کتاب تغیر و ترمیم سے محفوظ نہیں ہے اور اس میں بہت سے لوگوں کے خود ساختہ عقائد راہ پا گئے ہیں۔

اسلام کے مطالعہ نے مجھے بتایا کہ انسان میں "روح" نام کی ایک غیر مرئی چیز ہوتی ہے جو کبھی نہیں مرتی۔ گناہوں کی سزا اس دنیا میں بھی ملتی ہے اور آخرت میں بھی اور اگر انسان خلوص دل سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اپنی ساری رحیمی و کریمی کے ساتھ گناہوں کو معاف کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ رہتا ہے۔

اب میں نے اپنا تمام وقت صرف اسلام کے مطالعے کے لئے وقف کر دیا اور اس نے مجھے مایوس نہیں کیا تلاش حق کے لئے میں نے جو مطالعہ اور غور و فکر کیا وہ رائیگاں نہیں گیا اور میں نے اپنے اندر اس دین کے لئے بے پناہ کشش محسوس کی یہی کشش مجھے برصغیر کے ایک شہر لاہور میں لے گئی۔ یہاں میں نے ایک نواحی بستی اچھرہ میں قیام کیا جہاں کی بیشتر آبادی اسلام کے ماننے والوں پر مشتمل تھی۔ میرے شب و روز انہی لوگوں کے درمیان گزرتے تھے جو جفاکش اور سادہ دل تھے اور غریبی و افلاس کے باوجود صابر و قانع اور خوش و خرم تھے۔ میں نے ان سے اسلام کا عملی سبق لیا دین داری اور بھائی چارے کا احساس یہاں کے سارے ماحول پر حاوی تھا۔ میں نے ان لوگوں کے ساتھ بذات خود خون پسینہ ایک کیا اور خاصے عرصے تک ان کے ساتھ رہ کر عادات اور عقائد کا بغور مشاہدہ کیا۔

اب تک میں پیغمبر اسلام محمد ﷺ کی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا مجھے معلوم تھا کہ عیسائی رسول عربی ﷺ کے شدید مخالف اور نکتہ چیں ہیں، بہر حال میں نے

اس طرف توجہ کی اور محمد ﷺ کی زندگی کا مطالعہ شروع کیا اور بہت جلد محسوس کرلیا کہ آپ ﷺ حق و صداقت کا روشن مینار ہیں اور خدا تک آپ کو مکمل رسائی حاصل ہے میں نے دیکھا کہ انسانیت پر اس بشر کامل کے اتنے احسانات ہیں کہ ان کے خلاف بغض کا اظہار کرنا ظلم عظیم ہے وہ لوگ جو وحشی تھے۔ بتوں کی پوجا کرتے تھے جرم و گناہ اور بے حیائی میں سرتاپاؤں ڈوبے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو عزت نفس، وقار و احترام انسانیت، اور پاکیزگی کا درس دیا اور ساری صفات کے ساتھ خدائے واحد کے حضور میں لا کھڑا کیا۔ اعلیٰ انسانی قدروں نے فروغ پایا شراب نوشی کا قلع قمع ہوگیا اور اسلامی معاشرہ پاکیزگی اور تقدس کے اس سطح تک جا پہنچا کہ تاریخ میں کہیں اس کی مثال نہیں ملتی۔ میں نے سوچا ان عدیم النظیر کارناموں کے علاوہ پیغمبر اسلام کی اپنی ذات جس قدر بے عیب اور منزہ تھی اس کی موجودگی میں ان پر عیسائیوں کی خردہ گیری بدترین شقاوت اور سیاہ قلبی کے سوا کچھ نہیں۔ عیسائیت کے خلاف میری بغاوت لحظہ بہ لحظہ تیز ہوتی جارہی تھی اور میں اکثر غور و فکر کی حالت میں رہتا کہ ایک دن ایک مسلمان میاں امیرالدین سے میری ملاقات ہوئی۔ اسلام کے موضوع پر ان سے باتیں ہوئیں۔ میں نے بہت سے سوال کر ڈالے اور میاں صاحب نے ہر سوال کا جچے تلے انداز میں جواب دیا مجھے کامل اطمینان اور یکسوئی حاصل ہو گئی۔ میاں امیرالدین نے میری چنگاری کو شعلے میں تبدیل کردیا اور جب مجھے یقین ہوگیا کہ اسلام ہی دین حق اور مکمل ضابطہ زندگی ہے تو میں نے ایک روز اس کے حلقہ بگوش ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ بحمد اللہ اب میں مسلمان ہوں اور اسلام کی روحانی نعمتوں سے بہرہ ور ہوں۔ میں نے عزم کرلیا ہے کہ ان نعمتوں سے دوسری انسانیت کو بھی فیضیاب کروں گا۔ (انشاء اللہ)۔

شکریہ ہم کیوں مسلمان ہوئے

انتخاب محمد یونس ہاشمی

عید اور تجدید عہد

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی

خوش بخت ہیں وہ انسان جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان کی دولت ملی اور مقصود حیات سے آگاہی نصیب ہوئی۔ ان کے دلوں میں اپنے معبود اور محبوب کی بندگی کا ذوق اور اس کی رضا کی طلب گھر کر گئی اور وہ اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کی اطاعت کو فلاح دارین کا وسیلہ جان کر صراط مستقیم پر گامزن ہو گئے۔ اہل ایمان کے لیے ان کی منزل آسان فرمانے کے لیے اللہ رحیم و کریم نے اپنی رحمت سے چند عبادات فرض قرار دے رکھی ہیں۔ اور اللہ کے بندے پورے اہتمام ' ادب و احترام اور ذوق و شوق کے ساتھ انہیں ادا کرتے ہیں۔ وہ اس حقیقت کو تسلیم کر لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری عبادات کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تو اس کی خاص رحمت ہے کہ اپنے قرب و لقاء کے حصول کے طریقے انبیاء علیہ السلام کے توسل سے انسانوں کو بتا دئے ہیں۔ ان فرض عبادات میں سے ماہ رمضان کے روزوں کی بھی خاص اہمیت ہے۔ اہل ایمان اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی منزل کے مسافروں کے لئے بہترین زاد راہ تقویٰ ہے۔ اس راہ کے سالکوں کے لیے قرآن مجید میں مکمل ہدایات موجود ہیں۔ لیکن انہیں متقین ہی سمجھ پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے عزت والا وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے اور آخرت کی نعمتیں بھی متقین کے لیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل ایمان اپنے قلوب کو تقویٰ کے نور سے مزین کرنے کی خاطر ہر سال ماہ رمضان المبارک کا استقبال ذوق و شوق سے کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تقویٰ ہی کو روزے کا مقصود قرار دیا ہے۔ اس خصوصی مہینہ کا چاند نظر آتے ہی اہل ایمان میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا نیا ولولہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ان کی زندگی کے معمولات یکسر بدل جاتے ہیں۔ وہ اپنے نفسوں کو آلائشوں سے پاک کرنے کے لیے خصوصی مجاہدہ کی بھٹی میں ڈال دیتے ہیں۔ وہ منکرات سے بچنے کے ساتھ

ساتھ دلوں کو جلا بخشنے والے اعمال میں بھی حتی الامکان اضافہ کر دیتے ہیں۔ چنانچہ فرض نمازوں اور زکوٰۃ کے علاوہ نوافل، صدقات اور تلاوت قرآن کی کثرت اس ماہ کو دین کی بہار کا موسم بنا دیتی ہے۔

اس سالانہ تربیت کورس کے دوران اللہ تعالیٰ کی رضا کے متلاشی اپنے آقا و مالک کے حکم پر زندگی کی ناگزیر اور حلال ضروریات کو بھی ترک کر دیتے ہیں تاکہ تقویٰ کا جوہر اس مقام پر پہنچ جائے کہ ہر اس چیز جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند اور اس کے قرب و رضا میں مانع ہے سے بچنا سہل ہو جائے۔ اس روحانی تربیت کے نظام پر غور فرمایئے کہ پور ایک ماہ مخصوص اوقات کے دوران میں حلال چیزوں سے رکے رہنے کی مشق کرائی جاتی ہے۔ لیکن اس کی غرض و غایت منکرات و محرمات سے بچنا ہے۔ روزہ کے دوران روٹی پانی اور جنسی تسکین جو کہ حیات انسانی کی بقاء کے لیے نہایت ضروری ہیں سے منع کر دیا جاتا ہے لیکن ان پابندیوں سے مقصود جھوٹ، غیبت اور خیانت وغیرہ نقصان رساں عادات سے چھٹکارا دلانا ہے۔ یہ بات ذہن میں بٹھالینی چاہیے کہ روزے کا حقیقی مقصد صرف بھوکا اور پیاسا رہنے سے پورا نہیں ہوتا جب تک زبان، آنکھ، کان اور دوسرے تمام اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی معصیت سے روک لینے کا ملکہ پیدا نہ کیا جائے۔ تعلیم و تربیت کا مقصود ہی یہ ہوتا ہے کہ انسانوں کی سوچ اور طرز عمل میں تبدیلی لائی جائے۔ بھوک اور پیاس تو حقیقی روزہ کی یاد دہانی کرائے رکھنے کا ایک پر حکمت ذریعہ ہے۔ اس لئے ہر مومن کو اس نیت اور مصمم ارادہ کے ساتھ روزہ رکھنا چاہیے کہ مجھے اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند بنانا ہے۔ گویا شکم کا روزہ ایک لحاظ سے روحانی محتسب کا کردار ادا کرتا ہے اور مومن کے دل میں تقوی کے جوہر کو تقویت دے کر اسے اللہ کی نافرمانی سے روک لیتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے قلب مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "تقویٰ یہاں ہے تقویٰ یہاں ہے" حضور ﷺ نے حقیقت صوم کو واضح کرنے کے لیے ارشاد فرمایا۔ "اگر روزہ دار مومن کو کوئی گالی دے تو اسے چاہیے کہ جواب میں صرف یہ کہے کہ میں روزے

سے ہوں" ان ارشادات کی روشنی میں یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ روزے سے مقصود اصلاح قلب اور ضبط نفس ہے۔

قرآن کریم کے نزول اور حضور رحمتہ اللعلمین علیہ الصلوۃ والسلام اعلان نبوت والے پر انوار مہینہ کے روزوں سے ایمان و عمل میں جو نکھار پیدا ہوتا ہے وہ کسی دوسرے مہینہ کے روزوں سے ممکن نہیں ہے۔ مہینہ بھر کی یہ بظاہر کٹھن مشقت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی رحمت سمیٹنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا نادر موقع ہوتا ہے۔ لیکن آخر کار ایک دن ماہ شوال کا چاند افق پر طلوع ہو کر ماہ صیام کے اختتام کا اعلان کرتا ہے اور مومنین ایک اہم فرض کی بجا آوری پر ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے اور عید کے دن اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر سجدہ شکر بجالاتے ہیں۔ اس روز اہل ایمان محسوس کرتے ہیں کہ رمضان المبارک کے انوار و برکات نے ان کے قلوب کی حالت بدل کر رکھ دی ہے۔ یہ پر مسرت موقع روزے رکھ کر انہیں بھول جانے کا نہیں ہوتا بلکہ اپنے معبود و محبوب سے تجدید عہد کرنے کا ہوتا ہے۔ اس عہد کی تجدید جو روز الست اس کو اپنا مالک اور رب تسلیم کر کے کیا تھا۔ اس عہد کی تجدید جو کلمہ طیبہ پڑھ کر اس کے احکام کی اطاعت اور اس کے رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے اتباع کا کیا تھا اور اپنی جان اور اپنا مال اللہ تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کر دئے تھے۔ اس روز اس عزم کی تجدید کرنی چاہیے کہ اللہ کے دین پر پہلے سے بھی زیادہ ذوق و شوق سے عمل کریں گے۔ عید کے مبارک دن ہمیں اپنے خالق و مالک سے یہ دعا کرنی چاہیے۔

"اے ہمارے پروردگار ہمیں سال کے بقایا حصے یعنی ماہ شوال سے شعبان تک کے عرصہ میں بھی تقویٰ اختیار کرتے ہوئے حرام چیزوں سے بچنے اور اپنی رضا اور اپنی رضا والے اعمال سرانجام دینے کی توفیق عطا فرما۔ ہمیں اپنے نفسوں کی شرارت اور شیطان کے مکرو فریب سے اپنی پناہ عطا فرما۔ اپنا فضل و کرم ہر وقت ہمارے شامل حال فرما تاکہ تیری رحمت سے ہم بھی تیرے صالح اور مقرب بندوں میں شامل ہو سکیں۔ آمین یا رب العلمین!"

صحبت اہل صفا

(ماجد محمود توحیدی)

انسانوں کی اصلاح کے لیے نیک لوگوں کی صحبت کو جو اہمیت حاصل ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ انسانیت کو جو مشکلات درپیش ہیں ان کا حل نہ تو انسانوں کو ایک ہی لباس پہنا کر اور انہیں ایک ہی زبان سکھا کر بظاہر ایک جیسا بنا دینے میں ہے اور نہ مادی وسائل کی فراوانی اور علم و دولت کی کثرت ان کو اچھا انسان بنانے میں مدد دے سکتے ہیں۔ انسان کی اصل تربیت کا آغاز اس کے دل سے ہوتا ہے۔ دلوں کی اصلاح سے باہر کا جہان بھی سنور جاتا ہے اور جب دلوں میں بگاڑ پیدا ہو جائے تو زمین فساد سے بھر جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ السلام اور ان کے جان نشین اپنا کام دل کی اصلاح ہی سے کرتے تھے۔ اس حقیقت کو جاننے کے لیے ہم اسلام کے ابتدائی دور پر نظر دوڑاتے ہیں۔ اس وقت پڑھنے پڑھانے کے لیے کتابوں کا وجود ہی نہیں تھا۔ بلکہ قرآن کریم بھی کتابی صورت میں دستیاب تھا۔ اس وقت اہل ایمان میں جو انقلاب برپا ہوا اس کا سرچشمہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نور نبوت تھا جس نے دلوں کی دنیا بدل ڈالی اور وہ انسان جو سب سے زیادہ بگڑے ہوئے تھے پوری دنیا کے لیے راہنما اور معلم اخلاق بن کر کھڑے ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ کی صحبت میں جو مومن چند گھڑیاں گذار لیتا اس کا باطن خواہشات نفس سے چھٹکارا پا کر اللہ تعالیٰ کی محبت کے رنگ میں اس طرح رنگ جاتا تھا کہ کوئی غیر صحابی مومن چاہے کتنی ہی عبادت و ریاضت کرے کسی ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو بھی نہیں پا سکتا۔ اسلام کی تعلیم سے انکار کرنے والے سرداران قریش حیران تھے کہ نبوت کے دعویدار اس انسان کے پاس ایسی کونسی مقناطیسی قوت ہے کہ جو بھی اس کی تعلیم پر ایمان لے آتا ہے وہ اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ ان کی عقلیں نبوت کی روحانی قوت کو تو نہ سمجھ سکیں اس لیے انہوں نے اسے جادو کا کرشمہ سمجھا۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق انسانوں کو باطنی استعداد اور قابلیت کا جوہر عطا فرماتا ہے لیکن اس کی تکمیل کا انحصار اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کی صحبت میسر آنے پر ہوتا ہے۔ جس طرح ایک عمدہ بیج سے بہترین نتائج حاصل کرنے کے لیے مناسب زمین، پانی، ہوا اور روشنی کی ضرورت ہوتی ہے ٹھیک اسی طرح روحانی اوصاف کی فصل کو

اپنے کمال تک پہنچنے کے لیے کاملین اور مقربین بارگاہ کا پیار اور توجہ درکار ہوتی ہے۔ اللہ والوں کی صحبت کی برکت سے اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ جوہر تھوڑے سے عرصہ میں اپنے شباب پر پہنچ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے فیض رسالت سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جو مبارک جماعت تیار ہوئی تھی اس کا ہر فرد اپنی اپنی استعداد کے مطابق اپنے نکتہ کمال تک پہنچا ہوا اور اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ یہ ایک انوکھا انقلاب تھا جس سے تشکیل پانے والے مقدس گروہ کو اللہ تعالیٰ نے خیرالامت کے خطاب سے نوازا۔ انسانی تاریخ میں یہ ایک بے مثال قوم تھی اور اس نے جو اثرات خطہ زمین پر مرتب کئے ان کی بھی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اللہ والے بزرگ بھی اپنے ملنے والوں اور عقیدت مندوں کی اصلاح روحانی فیض ہی سے کرتے ہیں جس سے ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی شمع روشن ہو جاتی ہے۔ اس کا نشہ اور سرور ایسا ہوتا ہے کہ یہ لذت آشنائی دنیا کی ہر لذت سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ اہل دل کے سینوں میں چھپی ہوئی روحانی قوت کی افادیت بیان کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:-

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس انکی
الہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ حضور نبی کریم ﷺ کی اتباع میں نماز اور کثرت ذکر کی پابندی کرتے ہیں اور غصہ و نفرت سے اپنے دلوں کو پاک کر کے سراپا محبت بن جاتے ہیں ان کے دلوں میں سوز و گداز اور حرارت کی صورت میں روحانی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کی برکت سے انہیں اطمینان قلب اور دائمی مسرت نصیب ہو جاتی ہے۔ اللہ کے یہ مقرب بندے جب اپنی قلبی قوت اور روحانی فیض کو کسی سچے طالب کے دل میں منتقل کرتے ہیں تو اس کے دل میں بھی اللہ کی محبت بیدار ہو جاتی ہے جو ایک نئی زندگی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ اور وہ ذوق و شوق سے اللہ کی اطاعت پر لگ جاتا ہے۔ جدید سائنسی تحقیق سے بھی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ہر انسان کے وجود سے ہر وقت لہریں نکلتی رہتی ہیں جو اس کے اخلاق کی نوعیت اور کردار کی قوت کے مطابق ہوتی ہیں اور اپنے پاس اٹھنے بیٹھنے والے دوسرے لوگوں کو بھی متاثر کرتی ہیں۔ صالحین کے وجود سے نکلنے والی لہریں نیکی کی تحریک پیدا کرتی اور کفار کے وجود سے نکلنے والی لہریں سرکشی اور برائی کو فروغ دیتی ہیں

- چنانچہ مشہور ہے کہ صحبت صالح ترا صالح کند۔ صحبت طالح ترا طالح کنند۔ حکیم الامتؒ نیک لوگوں کی صحبت کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

صحبت اہل صفا نور و حضور و سرور

سر خوش و پر سوز ہے لالہ لب آبجو

قرون اولیٰ کے سبھی مسلمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے محبت سے سرشار اور ان کے سچے جاں نثار تھے۔ وہ اللہ کے لیے جیتے اور اللہ کے لیے مرتے تھے۔ وہ اللہ کے بھروسہ پر نکل کھڑے ہوئے تاکہ اللہ تعالیٰ کے دین کی برکتوں کو مخلوق خدا تک پہنچا کر انہیں دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچانے کا فریضہ ادا کر سکیں۔ اسی طرح کے قدسی نفوس کے روحانی فیض سے چین ' انڈونشیا ' ملائیشیا اور خود ہندوستان میں اسلام کی شمعیں روشن ہوئیں کیونکہ اول الذکر ممالک میں کبھی بھی اسلامی افواج داخل نہیں ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ کا سچا دین قیامت تک آنے والے انسانوں کی راہنمائی کے لیے ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حضور خاتم النبیین ﷺ کے حقیقی وارث اللہ والوں کا گروہ بھی موجود ہے اور رہے گا۔ اللہ کے ان خاص بندوں کے روحانی فیض سے دلوں کی کھیتی کو اسی طرح تازگی ملتی ہے جس طرح نسیم سحری سے نباتات کو حیات نو ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت وہ دولت بے بہا ہے جو اہل صفا اور اہل محبت کی نظر اور صحبت کے سوا نہیں مل سکتی۔ علامہ اقبالؒ ایک رباعی میں فیض صحبت کی افادیت بیان کرنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں چرانے اور ان کی صحبت میں چند برس گذارنے کا یہ اثر ہوا کہ وہاں سے واپس لوٹے تو راستہ میں نبوت سے نواز کر کلیم اللہ بنا دیئے گئے اس رباعی پر ہی اپنی گذارشات ختم کرتا ہوں۔

دم عارف نسیم صبحدم ہے

اسی سے ریشہ معنی میں نم ہے

اگر کوئی شعیب آئے میسر

شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

دوستی

عاصم ندیم

دوستی جتنا پاکیزہ نام ہے اتنا ہی پاکیزہ جذبہ - یہ جذبہ جب بھی کسی دل میں پھوٹتا ہے تو محبت کے دریا بہا دیتا ہے۔ یہ ایک ایسا طوفان ہے جو کسی کی تھامنے سے نہیں تھمتا۔ یہ دریا اپنے سامنے آنے والی نفرت کی تمام دیواریں گرا کر محبت و الفت کی کھیتی سیراب کرتا ہے۔

دوستی ایک عظیم بندھن ہے جس میں بندھ کر بندہ تمام دنیا و مافیا سے بے نیاز ہو جاتا ہے - دوست جب اپنے حبیب سے ملنے کی خواہش ظاہر کرتا ہے تو معراج کا واقعہ رونما ہو جاتا ہے - انسانی عقل میں نہ سمانے والا فاصلہ لمحوں میں طے ہو گیا دوست کو وہ مقام مل جاتا ہے کہ صبح و شام اس کی تسبیح کرنے والے فرشتوں کو بھی حاصل نہیں ہوتا - یہی دوستی جب امتحان کے کٹہرے میں کھڑی ہوتی ہے تو صدیق کا لقب دلوا دیتی ہے - بات حقیقت تھی سچ تھی لیکن اس کو سچا ماننے والے کو مقام مل جاتا ہے - ایسی دوستی سے جب آزمائش کا معاملہ پڑتا ہے تو گھر کا سارا سامان اپنے دوست کے قدموں میں رکھ دیتا ہے - سوال کیا جاتا ہے کہ گھر میں کیا چھوڑ آئے ہو تو جواب ملتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں - فرشتے انگشت بدنداں رہ گئے ایمان کی حقیقت پانے کے بعد دوستی اپنی معراج کو پہنچ گئی -

دوستی کے صحیح معنی بیان کرنا تو بہت مشکل ہے - مگر دوستی ایثار و قربانی کا نام ہے - اس کے علاوہ دوستی رازوں کی محافظ - مشکل وقت کی آسانی اور اپنے دوست کی امنگوں کی ترجمانی ہوتی ہے - دوستی ہجر کی راتوں کی ساتھی - غم کے موسم میں برسنے والی پھوار اور درد کا مرہم ہوتی ہے - دوستی کی دیوار کھڑی تو کافی دیر بعد ہوتی ہے - مگر باقی تمام رشتوں سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے - محبت اور اپنائیت کا پودا جو اس کے ساتھ پروان چڑھتا ہے وہ اپنی جڑوں اور شاخوں کی مدد سے اس دیوار کو گرنے سے محفوظ رکھتا ہے - انسان اس دیوار تلے بیٹھ کر فرحت و آسودگی محسوس کرتا ہے -

زندگی میں ہر چیز کا معیار ہوتا ہے - جو جتنی اعلیٰ ہو اس کا معیار بھی اتنا ہی اونچا ہو

گا ہر چیز میں معیار اپنانے سے ہی معیاری زندگی گذاری جاسکتی ہے۔ اگر زندگی کا معیار نہ ہو تو آدمی غیر معیاری ہو جاتا ہے۔ دوستی جتنا اعلیٰ جذبہ ہے اس کا معیار بھی اتنا اونچا ہونا چاہیے اور اس معیار کو پانے کے لیے نظریں بے اختیار اوپر کو اٹھ جاتی ہیں اور بارگاہ الٰہی میں دوست بننے کی آرزو کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر بھی انسان کو مایوس نہیں کیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ دوست بننے کی خواہش ظاہر کی جائے۔ اپنے آپ کو بھی دوستی کے معیار تک لانا ہو گا۔ جذبوں کی سچائی پانے کے لیے سچے جذبے نہایت اہم ہیں۔ جذبوں کی سچائی روح کی سچائی ظاہر کرتی ہے اور اسی روح کی سچائی کو پانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی دوستی درکار ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دوستی حاصل کرنے کے لیے اس کے تقاضے نبھانے ضروری ہیں اللہ تعالیٰ نے انہی تقاضوں کو بار بار دھرایا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دوستی کی ضرورت انسان کو ہے اللہ تعالیٰ کو نہیں۔ وہ تو اعلیٰ و برتر ہے اور ہم ادنیٰ۔ وہ بے نیاز اور ہم نیاز مند۔ وہ غنی ہم محتاج۔ وہ رحمت کرنے والا اور ہم رحمت کے طالبگار۔ اس لیے ضروری ہے کہ بندہ دوستی کے تقاضے پورے کرتے ہوئے اپنی آنکھوں کا فرش راہ بچھائے رکھے۔

جس خوش قسمت کو یہ دوستی میسر آجاتی ہے اس کے کیا کہنے۔ وہ اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی کسی اور دنیا میں ہوتا ہے۔ اس کے رنگ نرالے اس کے ڈھنگ جدا۔ اس کی باتیں جدا۔ اس کی راتیں جدا۔ وہ لوگوں کو بے رنگ نظر آتا ہے مگر خدا کے جلووں میں رنگا ہوتا ہے۔ وہ جب کائنات پر نظر دوڑاتا ہے تو ہر طرف اس کی کارفرمائی پہ سر دھنتا ہے۔ قمریوں، تیتروں اور چکور کی آواز میں خدا کی ثنا کو پاتا ہے زندگی کے تمام ڈر خوف اس کے دل سے نکل جاتے ہیں۔ دوست کی زمین پر دوست کی چیزوں سے ڈرنا کیسا۔ بلکہ ان چیزوں سے محبت بڑھ جاتی ہے۔ مخلوق خدا کی مخلوق ہوتے ہوئے اور بھی بہتر اور عزیز ہو جاتی ہے۔ اندیشے پریشانیاں سب پیچھے رہ جاتی ہیں اور وہ آگے نکل جاتا ہے۔ لوگ موت سے ڈرتے ہیں وہ موت کی آرزو کرتا ہے۔ کیونکہ اسی موت میں اس کی اپنے حبیب سے ملاقات کا بھید چھپا ہوتا ہے۔

کردار مسلم

اعجاز احمد مغل

امریکہ سے ایک کتاب چھپی ہے جس کا نام ہے "ایک سو" اس کتاب میں ساری انسانی تاریخ کے ایک سو ایسے آدمیوں کو تذکرہ ہے جنہوں نے مصنف کے نزدیک تاریخ پر سب سے زیادہ اثرات ڈالے۔ کتاب کا مصنف نسلی طور پر عیسائی اور تعلیمی طور پر سائنس دان ہے۔ مگر اپنی فہرست میں اس نے 1 نمبر پر نہ حضرت مسیح علیہ السلام کا نام رکھا ہے اور نہ ہی نیوٹن کا۔ اس کے نزدیک وہ شخصیت جس کو اپنے غیر معمولی کارناموں کی وجہ سے نمبر ایک پر رکھا جائے وہ پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ ہیں۔ مصنف کا کہنا ہے کہ آپ نے انسانی تاریخ پر جو اثرات مرتب کئے وہ کسی بھی دوسری شخصیت خواہ وہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی نے نہیں ڈالے

مصنف نے آپ ﷺ کے کمالات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے

(آپ تاریخ کے تنہا شخص ہیں جو انتہائی حد تک کامیاب رہے مذہبی سطح پر بھی اور دنیوی سطح پر بھی)

(ماخوذ از پیغمبر انقلاب' مولانا وحید الدین خان)

محمد ﷺ اسی طرح خدا کے ایک پیغمبر تھے جس طرح دوسرے بہت سے پیغمبر ہوئے ہیں۔ قرآن کی صراحت کے مطابق آپ کے مشن اور دوسرے پیغمبروں کے مشن میں اصلا" کوئی فرق نہیں تھا تاہم آپ ﷺ کی ایک مزید حیثیت اور بھی تھی۔ وہ یہ کہ آپ ﷺ خاتم النبین تھے۔ دوسرے لوگ صرف رسول اللہ تھے۔ اور آپ رسول اللہ کے ساتھ خاتم النبین بھی

ولکن رسول الله و خاتم النبین (الاحزاب ۴۰)

ایک ایسی شخصیت جس نے اپنی امت پر تو اثر ڈال ہی دیا لیکن اس نے ایسے ایسے آدمیوں پر اثر ڈالا جن کا ان چیزوں کا کسی قسم کا کوئی واسطہ تو کیا تصور بھی نہ تھا اس نے ایسی ایسی قوموں کی اصلاح کی کہ جس قوم کے ظلم سے کوئی پرندہ تک محفوظ نہ تھا۔ جس میں انصاف کا تصور تک نہ تھا۔ ان میں برائیاں ایسے کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں کہ جس

طرح ہم کھانا کھانا لازم سمجھتے ہیں وہ برائی کرنا لازم سمجھتے تھے انہوں نے ایسی ایسی چیزوں کی پرستش کی تھی اور کر رہے تھے کہ جن کا حقیقت سے کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ دنیا کے کسی مذہب کے آدمی سے پوچھ لیں وہ آپ کو ان کی پوری تاریخ بتائے گا۔ نہ صرف یہ کہ ان کی صفات تک آپ کو بتائے گا تو وہ کیا چیز ہے کہ جس نے ہر مذہب کے لوگوں پر اپنا اثر قائم کر دیا نہ صرف یہ بلکہ دین اسلام کو منوایا اور بہت بڑی تعداد میں لوگوں کو اس دین میں شامل کر لیا۔ پہلے زمانے میں کوئی عیسائی تھا۔ کوئی سکھ تھا۔ کوئی ہندو تھا کوئی آگ کو پوجتے تھے۔ کوئی بھینس و گائے کو اپنا خدا مانتے کوئی سانپوں کی پرستش کرتے تھے۔ کوئی درختوں کی عبادت کرتے تھے تو کوئی چاند سورج کو ہی اپنا سب کچھ مان لیتا تو کوئی مٹی کے بت بنا کر اپنے گھر میں رکھ لیتا یا کسی چوک میں لگا دیتا وغیرہ وغیرہ یعنی ہر قسم کی جہالت پھیلی ہوئی تھی۔ تو ذرا سوچیں کہ ایسے لوگوں کو ان کے راہ سے ہٹا کر دوسرے راہ پر چلانا کتنا مشکل کام ہے۔ بلکہ ہمارے نزدیک تو ناممکن سی بات ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں جو مسئلہ پیدا کیا ہے اس کا حل بھی لازمی پیدا فرمایا ہے۔ بس تھوڑی سی ہمت اور ثابت قدمی کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو ہمارے رسول خدا ﷺ نے اس پر عمل کیا۔ اور ثابت قدم رہ کر سچے اصولوں کو اپنا کر بڑی سے بڑی اور بھٹکی ہوئی قوموں کو سیدھا راستہ دکھایا۔ اور اسلام کو پھیلا دیا تو ذرا سوچیں کہ اس کام میں ان کو کتنی مشکلیں اٹھانی پڑیں۔ انہوں نے کتنا ظلم سہا اور بلاخر اتنا کچھ ہو جانے کے بعد سب لوگوں کو ان کا قائل ہونا ہی پڑا۔ انہوں نے اتنا ظلم کیوں سہا اتنی مصیبتیں کیوں برداشت کیں صرف اور صرف اللہ کی محبت کی خاطر انہوں نے صبر کا دامن نہ چھوڑا صرف اور صرف اللہ کے لئے۔ تو اس میں ان کی بنیادی چیز کیا ہوئی "اللہ" وہ جو ہم سب کا رازق ہے ہم سب کا مالک ہے۔ جس کے قبضے میں ہماری جان ہے ہم سب لوگ کہتے ہیں کہ ہم سب کو اللہ سے پیار ہے۔ یہ کیسا پیار ہے کہ رستے میں جاتے جاتے کسی کا ہاتھ لگ جائے یا پاؤں لگ جائے یا کوئی مذاق میں کوئی بات کہہ دے۔ تو بجائے ہم مسکرا کر اس کو دیکھ کر سر نیچے کر کے جانے کے اس کو ہی گالیاں دینا شروع ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تعلیم یہ تو نہیں ہے وہ تو یہ فرماتا ہے کہ ہر کسی کو محبت کی نظر سے دیکھو چاہے اگلا تمہیں گالیاں بھی دے۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ ہم کو رسول خدا ﷺ سے بھی پیار ہے۔ تو آنحضرت ﷺ کا چال چلن ایسا تو نہ تھا اکثر ہم راہ چلتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ سینکڑوں ایسے بزرگ ہیں جو نظر کی

کمزوری کی وجہ سے یا دماغی کمزوری کی وجہ سے یا جسمانی کمزوری کی وجہ سے کسی چیز سے ٹکرا جائیں تو ہم ان کا کتنا مذاق اڑاتے ہیں۔ اگر وہ ہم میں کوئی عیب دیکھ کر نصیحت کرتے ہیں تو ہم بجائے اس پر غور کرنے کے ان کے جانے کے بعد ان کا مذاق اس قدر اڑاتے ہیں کہ یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ وہ ہمارے ماں باپ سے بھی بڑے ہیں اللہ تعالیٰ کی تعلیمات تو یہ نہیں ہیں۔ کہ تم ان کا مذاق اڑاؤ یا تم ان کے نام ڈال دو اور جب بھی وہ راستہ میں سے گزریں تو تم ان کو الٹے ناموں سے بلاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی تعلیمات تو یہ ہیں کہ تم ان کے پاس جاؤ ان کی عزت کرو ان کو پیار سے بلاؤ اور ان سے پوچھو کہ آپ کو کیا چاہیے وغیرہ یعنی ان کا ادب کریں کیونکہ وہ ہماری بزرگ ہیں اور بلکہ یہ ہماری درسی کتابوں میں بھی آتا ہے کہ بزرگوں کی خدمت کا کتنا ثواب ہے۔ اب اگر اسی طرح حضور اکرم ﷺ کی ذات کو دیکھیں تو ہم کو ایسی چیزیں کہاں ملتی ہیں کہ انہوں نے کبھی کسی بزرگ کو ستایا ہو یا الٹے ناموں سے بلایا ہو ہم یہ تو کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی زندگی ہمارے لیے ایک نمونہ ہے مگر ہم صرف باتیں کرنے والے ہیں اور بس۔ اگر ہم اپنے اپنے گریبانوں میں جھانکیں تو ہمیں کیا کیا کچھ اپنے اندر نظر نہیں آئے گا مگر ہم اپنے اندر جھانکنے کی کوشش کیوں کریں؟

---۔ اسی طرح میں ایک اور مثال دیتا ہوں کہ جب کوئی فقیر ہمارے پاس آجاتا ہے تو ہم بجائے اس کی امداد کے اس کو باتیں کرتے ہیں اور گالیاں دیتے ہیں ہم بدبختوں کو کیا پتہ کہ فقیری کیا چیز ہے۔ وہ لوگ کتنے ایمان والے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ ہم کو کیا پتہ۔ ان کا اللہ سے کس قدر رابطہ ہوتا ہے یہ ہم کو کیا پتہ ہم تو بس تن دیکھتے ہیں۔ ہمارے پاس ایک آدمی آجاتا ہے جو کہ پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس ہوتا ہے۔ ہم اس کو دھتکار دیتے ہیں اور اس کے برعکس اگر کوئی آدمی مرسیڈیز یا لینڈ کروزر پر آجائے تو ہم اس کے جوتے چاٹتے ہیں۔ یہ کیسا پیار ہے یہ کیسی محبت ہے کہ ہم اس کی تعلیمات پر ہی عمل نہیں کرتے حضور اکرم ﷺ نے تو کبھی بھی کسی فقیر کو نہیں دھتکارا انہوں نے تو ہمیشہ من کو ترجیح دی ہے۔ اور جس کا من خراب پایا اس کے من کو درست کر دیا۔ میرا ایسے آدمیوں سے صرف ایک سوال ہے کہ اگر ہم فقیروں کو کچھ دے نہیں سکتے تو ان کی اس طرح بے عزتی تو نہ کیا کریں اگر ہم کسی بزرگ کی عزت نہیں کر سکتے تو ان کے الٹے نام تو نہ ڈالا کریں ان کا اس طرح مذاق تو نہ اڑایا کریں۔ فقیروں کو اگر دینے کی توفیق نہیں رکھتے تو ان کو اس طرح دھتکاریں

تو نہ۔ کیا وہ انسان نہیں کیا ان کو جینے کا حق نہیں ہے۔ ہم کو یہ نہیں پتہ کہ اگر وہ لوگ ہماری طرف بددعا کا اشارہ بھی کردیں تو ہم کیا ہیں کیا ہو جائیں۔ ان کی کتنی طاقت ہوتی ہے ہم کو کیا پتہ ہم تو بدتمیزیاں کرنا جانتے ہیں اور ہمیں تو اس چیز کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہماری ان حرکتوں کی وجہ سے سننے والے کو کتنا دکھ اور تکلیف ہوگی اسی طرح نمازوں میں خاص طور پر نماز تراویح میں ہم میں سے ہی کچھ عناصر ایسے ہیں جو کہ بزرگوں کو نماز کی حالت میں تنگ کرتے ہیں۔ یعنی جب وہ سجدے میں جاتے ہیں تو پیچھے سے کوئی شرارت کر دینی جب رکوع میں جانا تو کوئی شرارت کر دینی تو حیرت ہوتی ہے ایسے عناصر کے اوپر کہ وہ خود تو کچھ کرنے کی توفیق نہیں رکھتے تو دوسروں کو کیوں تنگ کرتے ہیں اور پھر جن کے ساتھ شرارت کی جاتی ہے ان کی سائیڈوں پر بھی جو نماز میں ہوتے ہیں ان کو بھی بہت تکلیف ہوتی ہے تو یہ سب کچھ لینے کا مقصد یہ ہے کہ جس اللہ تعالیٰ سے پیار کا ہم اقرار کرتے ہیں۔ جس نبی پاک ﷺ پر ہم درود و سلام بھیجتے ہیں۔ تو ہماری نمازوں کا ذکر و اذکار کا دورد و سلام کا کیا فائدہ جب ہم نے ان پر عمل ہی نہ کیا۔ یہ تمام بیماریاں ہر انسان کے اندر موجود ہوتی ہیں۔ وہ کوئی آسمان سے فرشتہ نہیں اترا ہوتا لیکن جو لوگ اس چیز کو سمجھ جاتے ہیں کہ ہم اچھا نہیں کر رہے ہم کو اس کے برعکس اچھے کام کرنے چاہییے۔ وہ لوگ اپنی دنیا و آخرت سنوار لیتے ہیں اور دوسروں کے لیے مثال بن جاتے ہیں۔ میرا یہ تمام باتیں لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ جن لوگوں میں یہ تمام جراثیم پائے جاتے ہیں وہ تمام لوگ خدا کے واسطے اپنی اصلاح کرلیں کیونکہ یہ دنیا ایک عارضی سی چیز ہے اصل اور ابدی زندگی تو ہماری جنت یا دوزخ میں شروع ہوگی تو ہم سب کو اپنی آخرت کے لیے سامان کر کے رکھنا چاہییے۔ پتہ نہیں کونسی گھڑی ایسی آجائے کہ ہم کو اپنے تمام عزیز و اقارب سے جدا ہونا پڑ جائے۔ خاص طور پر جو آدمی بھی اس کو پڑھے تو وہ جس میں کوئی ایسی بیماری دیکھے تو تنہائی میں اس کو آرام سے سمجھائے۔ میں نے جو کچھ دیکھا وہ تمام تحریر کر رہا ہوں اور یہ تمام لکھنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ لوگ میری تحریر پڑھیں تو مجھ سے متاثر ہوں اس کا مقصد صرف اتنا ہے کہ پڑھنے والے اپنی اصلاح کرلیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کے لیے دیں۔ خدا ہم سب کو اپنی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور سیدھے اور سچے رستے پر چلائے۔ آمین ثم آمین

کلمہ طیبہ کے فضائل

(دوسرا حصہ)

ڈاکٹر محمد عرفان مغل

پہلے حصے میں ان قرآنی آیات کا ذکر کیا گیا تھا جن میں کلمہ طیبہ کا ذکر نہ کیا گیا مگر کلمہ طیبہ کی جگہ دوسرے الفاظ ذکر کیئے گئے ہیں اس حصہ میں ان قرآنی آیات کا ذکر کیا جاتا ہے جن میں کلمہ طیبہ ذکر کیا گیا ہے اکثر جگہ پورا کلمہ مذکور ہے اور کہیں مختصر اور کہیں دوسرے الفاظ میں بعینہٖ کلمہ طیبہ کے معنی مذکور ہیں کلمہ طیبہ (لا الہ الا اللہ) کے معنی ہیں کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا۔

یہی معنی (**مامن الہ غیرہ**) کے ہیں (کہ کوئی معبود نہیں اس کے سوا) یہی معنی (لا الہ الا ھو) کے ہیں اور یہی معنی قریب قریب ہیں لا نعبد الا اللہ کے (نہیں عبادت کرتے ہم اللہ کے سوا کسی کی) اسی طرح اور آیات بھی ہیں جن کا مفہوم کلمہ طیبہ ہی کے ہم معنی ہیں پورے قرآن مجید میں پچاسی آیات ہیں جن میں کلمہ طیبہ یا اس کا مفہوم وارد ہوا ہے ان کے علاوہ اور بھی آیات قرآنی ہیں جن میں اس کا معنی اور مفہوم وارد ہوا ہے۔ چند ایک آیات قرآنی نمونہ کے طور پر پیش کی جاتی ہیں۔

(1) ۔ سورۃ بقرہ رکوع نمبر19 میں ہے۔

والھکم الہ واحد لا الہ الا ھو الرحمن الرحیم ○

(2) ۔ سورۃ آل عمران رکوع نمبر1 میں ہے۔

اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم ○

(3) ۔ سورہ مائدہ رکوع نمبر10 میں ہے۔

ومامن الہ الا الہ واحد ○

(4) ۔ سورۃ انعام رکوع نمبر2 میں ہے۔

قل انما ھو الہ واحد ○

(5) ۔ سورۃ انعام رکوع نمبر5 میں ہے۔

من الہ غیرو اللہ یاتیکم بہ O

(6) - سورۃ ابراہیم رکوع نمبر7 میں ہے۔

ولیعلموا انما علوالہ واحد O

(7) - سورۃ نحل رکوع نمبر3 میں ہے۔

الھکم الہ واحد O

(8) - سورۃ مومنون رکوع نمبر5 میں ہے۔

وما کان معہ من الہ O

(9) - سورۃ محمد رکوع نمبر2 میں ہے

فاعلم انہ لا الہ الا اللہ O

(11) - سورۃ شوری رکوع نمبر2 میں ہے۔

اللہ ربنا وربکم O

(11) - سورۃ کافرون میں ہے۔

لا اعبد ما تعبدون O ولا انتم عابدون ما اعبد O

(12) - سورۃ اخلاص میں ہے۔

قل ھو اللہ احد O

متذکرہ بالا آیات کے ذکر میں رکوع اور سورہ کا حوالہ دے دیا گیا ہے جو ان آیات کا ترجمہ اور پوری آیات دیکھنا چاہے تو وہ قرآن مجید کھول کر دیکھ سکتا ہے اور حق تو یہ ہے کہ سارا کلام مجید ہی کلمہ طیبہ کا مفہوم ہے کہ اصل مقصد تمام قرآن مجید کا اور تمام دین کا توحید ہی ہے۔ توحید ہی کی تعلیم کے لیے مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء علیہ السلام مبعوث ہوئے توحید ہی سب مذاہب میں مشترک رہی ہے اور توحید کے اثبات کے لیے مختلف عنوانات اختیار فرمائے گئے ہیں اور یہی مفہوم کلمہ طیبہ کا ہے۔

اب ہم ان احادیث مبارکہ کا ذکر کرتے ہیں جن میں کلمہ طیبہ کی ترغیب و فضائل بیان کیے گئے ہیں۔ کلمہ طیبہ کے فضائل میں جب آیات اتنی کثرت سے نازل ہوئی ہیں تو احادیث

کا کیا اندازہ سب کا احاطہ ناممکن ہے اس لیے چند احادیث بطور نمونہ کے تحریر کی جاتی ہیں۔

(1) ۔ " حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ تمام اذکار میں افضل لا الہ الا اللہ ہے اور تمام دعاؤں میں افضل الحمد للہ ہے"

لا الہ الا اللہ کا افضل الذکر تو ہونا ظاہر ہے اور بہت سی احادیث میں کثرت سے وارد ہوا ہے نیز سارے دین کا مدار ہی کلمہ توحید پر ہے تو پھر اس کے افضل ہونے میں کیا تردد ہے

(2) ۔ " حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ مجھے کوئی ورد تعلیم فرمائیں جس سے آپ کو یاد کیا کروں اور آپ کو پکاروں۔ ارشاد خداوندی ہوا کہ لا الہ الا اللہ کہا کرو۔ عرض کیا اے میرے رب میں تو کوئی مخصوص چیز مانگتا ہوں۔ جو مجھی کو عطا ہو۔ ارشاد ہوا کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اور دوسری طرف لاالہ الااللہ کو رکھ دیا جائے تو لاالہ الااللہ والا پلڑا جھک جائے گا" اللہ تعالیٰ کی عادت شریفہ یہی ہے کہ جو چیز جس قدر ضروری ہوتی ہے اتنی ہی عام عطا کی جاتی ہے اللہ کے ہاں وزن اخلاص کا ہے جس قدر کوئی کام اخلاص کے ساتھ کیا جائے گا اسی قدر اس کا وزن زیادہ ہو گا اور جس قدر اخلاص کی کمی اور بددلی سے کیا جائے گا اتنا ہی ہلکا ہو گا۔ اخلاص پیدا کرنے کے لیے بھی جس قدر مفید اس کلمہ کی کثرت ہے اتنی کوئی چیز نہیں کہ اس کلمہ کا نام ہی جلاء القلوب (دلوں کی صفائی) ہے اسی وجہ سے صوفیاء کرام اس کا ورد کثرت سے بتاتے ہیں۔

(3) ۔ " حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ کی شفاعت کا سب سے زیادہ نفع اٹھانے والا قیامت کے دن کون شخص ہو گا حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے احادیث پر تمھاری حرص دیکھ کر یہی گمان تھا کہ اس بات کو تم سے پہلے کوئی دوسرا شخص نہ پوچھے گا (پھر حضور ﷺ نے سوال کا جواب ارشاد فرمایا) کہ سب سے زیاد سعادت مند اور نفع اٹھانے والا میری شفاعت کے ساتھ وہ شخص ہو گا جو خلوص دل سے لا الہ الا اللہ کہے"

(4) ۔ " حضرت زیدؓ بن ارقم حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں جو شخص اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہے وہ جنت میں داخل ہو گا۔ کسی نے پوچھا کہ کلمہ کے اخلاص (کی علامت) کیا ہے آپ نے فرمایا کہ حرام کاموں سے اس کو روک دے"

یہ ظاہر ہے کہ جب حرام کاموں سے بچا رہے گا اور لا الہ الا اللہ کا قائل ہو گا تو اس کو سیدھا جنت میں جانے کی کیا رکاوٹ ہے۔

حضرت فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ "تنبیہ الغافلین" میں لکھتے ہیں ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ کثرت سے لا الہ الا اللہ پڑھتا رہا کرے اور حق تعالیٰ شانہ سے ایمان کے باقی رہنے کی دعا بھی کرتا رہے اور اپنے آپ کو گناہوں سے بچاتا رہے۔

(5) ۔ "حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ کوئی بندہ ایسا نہیں کہ لا الہ الا اللہ کہے اور اس کے لیے آسمانوں کے دروازے نہ کھل جائیں یہاں تک کہ یہ کلمہ سیدھا عرش تک پہنچتا ہے بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے"

کتنی بڑی فضیلت ہے اور قبولیت کی انتہا ہے کہ یہ کلمہ براہ راست عرش معلیٰ تک پہنچتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ اگر کبیرہ گناہوں کے ساتھ بھی کہا جائے تو نفع سے اس وقت بھی خالی نہیں ہے مگر ہماری یہی کوشش ہونی چاہیے کہ ہم ہر وقت کبیرہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کریں۔

(6) ۔ "حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو بھی بندہ کسی وقت بھی دن میں یا رات میں لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو اعمال نامہ میں برائیاں مٹ جاتی ہیں اور ان کی جگہ نیکیاں لکھی جاتی ہیں"

(7) ۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ عرش کے سامنے نور کا ایک ستون ہے جب کوئی شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو وہ ہلنے لگتا ہے اللہ کا ارشاد ہوتا ہے کہ ٹھہر جا۔ وہ عرض کرتا ہے کیسے ٹھہر جاؤں حالانکہ کلمہ طیبہ پڑھنے والے کی ابھی تک مغفرت نہیں ہوئی ارشاد ہوتا ہے کہ اچھا میں نے اس کی مغفرت کر دی تو وہ ستون ٹھہر جاتا ہے۔

(8) ۔ "حضرت ابو ذر غفاریؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی وصیت فرما دیجئے ارشاد ہوا کہ جب کوئی برائی سرزد ہو جائے تو کفارہ کے طور پر فوراً کوئی نیک کام کر لیا کرو (تاکہ برائی کی نحوست دھل جائے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ لا الہ الا اللہ پڑھنا بھی نیکیوں میں داخل ہے حضور ﷺ نے فرمایا یہ تو ساری نیکیوں میں افضل ہے"

(9) ۔ "حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص سو مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھا کرے

حق تعالیٰ شانہ قیامت کے دن اس کو ایسا روشن چہرہ والا اٹھائیں گے جیسے چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے اور جس دن یہ تسبیح پڑھے اس دن اس سے افضل وہی شخص ہو سکتا ہے جو اس سے زیادہ پڑھے"

(10) ۔ "حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ بچہ کو شروع میں جب بولنا سکھاؤ تو لا الہ الا اللہ یاد کراو اور جب مرنے کا وقت آئے جب بھی لا الہ الا اللہ تلقین کرو جس شخص کا اول کلمہ لا الہ الا اللہ ہو اور آخری کلمہ لا الہ الا اللہ ہو وہ ہزار برس بھی زندہ رہے تو (انشاء اللہ) کسی گناہ کا اس سے مطالبہ نہیں ہو گا (یا اس وجہ سے گناہ صادر نہ ہو گا یا اگر ہوا تو توبہ وغیرہ سے معاف ہو جائے گا یا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے معاف فرمادیں گے)"

(11) ۔ "حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ لا الہ الا اللہ سے نہ تو کوئی عمل بڑھ سکتا ہے اور نہ یہ کلمہ کسی گناہ کو باقی چھوڑ سکتا ہے"

(12) ۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایمان کی ستر (70) سے زیادہ شاخیں ہیں (بعض روایات میں ستتر 77 آئی ہیں) ان میں سب سے افضل لا الہ الا اللہ کا پڑھنا اور سب سے کم درجہ راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز (اینٹ 'لکڑی' کانٹے وغیرہ) کا ہٹا دینا ہے اور حیا بھی (ایک خصوصی) شعبہ ہے ایمان کا۔

(13) ۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ جہنم سے ہر اس شخص کو نکال لو جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو اور اس کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی ایمان ہو اور ہر اس شخص کو نکال لو جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو یا مجھے (کس طرح بھی) یاد کیا ہو یا کسی موقعہ پر مجھ سے ڈرا ہو"

(14) ۔ "حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنا جنت کی کنجیاں ہیں"

اس پاک کلمہ میں اللہ تعالیٰ نے کیا کیا برکات رکھیں ہیں اس کا اندازہ اس بات سے ہو جاتا ہے کہ سو برس کا بوڑھا جس نے ساری عمر کفر و شرک میں گزاری ہو اگر وہ ایک مرتبہ اخلاص سے کلمہ طیبہ پڑھ لے تو وہ مسلمان ہو جاتا ہے اور اس کے پچھلے سارے گناہ اللہ تعالیٰ اس کلمہ کی بدولت معاف کر دیتے ہیں۔

علم و عرفان

خدا کی تلاش

توقیرانور مغل

ایک برطانوی جریدے کے مطابق عیسائیوں کے سب سے بڑے مذہبی رہنما پوپ جان پال نے خدا کی تلاش کے لیے ویٹی کن کے سائینس دانوں کو امریکہ کی ریاست ایری زونا میں ایک عظیم الشان رصد گاہ قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ جس میں دو انتہائی طاقتور دوربینیں نصب کی جائیں گی۔ یہ کیتھولک چرچ کی تاریخ میں سب سے پہلا منصوبہ ہے۔ جس میں سائینس کی مدد سے خدا کا سراغ لگایا جائے گا۔ اخبار کے مطابق ویٹی کن نے اس مقصد کے لیے 3 ملین پونڈ کی رقم مختص کی ہے۔ اس منصوبے میں ویٹی کن کے دس سائنیس دانوں سے مل کر خدا کی تلاش کے کام کو آگے بڑھائیں گے۔

خدا جانے پوپ جان پال کو خدا کی تلاش کے لیے اتنی دور کیوں جانا پڑا ورنہ خدا تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ فرعون مصر نے ہامانؑ کو حکم دیا تھا کہ تم اینٹوں کی مدد سے ایک اونچی عمارت تعمیر کراؤ تاکہ میں اس پر چڑھ کر خدا کو تلاش کروں۔ اب ویٹی کن والے رصد گاہ کی مدد سے خدا کو تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مذہب اور سائنس کے معرکے بڑے عرصے سے جاری ہیں اور سائنس مذہب کو زیر کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ لیکن ایسا کبھی نہ ہو گا۔

بقول اکبر الٰہ آبادی........

مذہب کبھی سائنس کو سجدہ نہ کرے گا
انسان اڑیں بھی تو خدا ہو نہیں سکتے

حضرت لقمان کی دانائی

محمد اکرم

مولانا رومؒ اپنی کتاب حکایات رومی میں لکھتے ہیں حضرت لقمان کو گردش زمانہ سے غلام بننا پڑا۔ مگر آقا آپ کی دانائی دیکھ کر آپ کا غلام بن گیا وہ فخرا" کہا کرتا تھا کہ میں

حضرت لقمان کا الش خورد ہوں (جھوٹا کھانے والا ہوں) ایک دن کوئی شخص حضرت لقمان کے آقا کے پاس ایک خربوزہ سوغات لایا۔ حضرت لقمان پاس نہ تھے نوکر سے کہا کہ انہیں بلا لاؤ۔ جب وہ آئے آقا نے ایک پھانک کاٹ کر انہیں دی حضرت لقمان نے جو اس کے کھانے میں رغبت ظاہر کی۔ آقا نے خوشی سے سارا خربوزہ چیر کر انہیں کھلا دیا۔ صرف آخری ایک قاش اپنے منہ میں ڈالی مگر چھکتے ہی اسے اگل دیا کیونکہ وہ بڑی کڑوی تھی۔ آقا نے حضرت لقمان سے کہا میں حیران ہوں کہ آپ اتنا کڑوا زہر کھاتے رہے۔ اور یہ نہ کہا کہ یہ کھانے کے قابل نہیں ہے۔ حضرت لقمان بولے آقا! آپ مجھے خوشی سے کھلا رہے تھے مجھے شرم آئی کہ میں آپ کی مسرت کو روکوں۔ علاوہ ازیں میں نے ہزاروں نعمتیں لے کر کھائی ہیں۔ میں نے ایک تلخ چیز چکھ کر یہ کہنا مناسب نہ سمجھا کہ آقا میں اسے نہیں کھا سکتا یہ کھانے کے لائق نہیں۔

(انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہزاروں نعمتوں سے متمتع ہوتا ہے لہذا اگر اللہ کی نعمتوں کے ساتھ کوئی کڑی آزمائش آجائے تو پھر بھی اللہ سے راضی رہنا چاہئے اور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے اللہ ہم پر رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے ہمیں اپنا شکر گزار بندہ بنائے) (آمین)

ایک نحوی اور ملاح کا مکالمہ

محمد اکرم

ایک نحوی (علم نحو کا عالم) کشتی پر سوار تھا۔ کشتی باد موافق کے سہارے مزے سے دریا میں تیرتی ہوئی جا رہی تھی۔ نحوی نے ملاح سے باتیں کرنا شروع کر دیں۔ اور پوچھا ملاح بتا تو سہی تو نے کچھ علم نحو پڑھا ہے۔ کشتی بان نے کہا مولوی صاحب علم نحو کیا چیز ہے۔ میں نے تو آج تک اس کا نام بھی نہیں سنا۔ نحوی بولا واہ رے میاں واہ تو نے تو یونہی اپنی آدھی عمر برباد کر دی۔ ارے جو شخص علم نحو سے واقف نہیں وہ انسان نہیں حیوان ہے ملاح نحوی کی بات سن کر بہت سٹ پٹایا اور لاجواب ہو کر چپ ہو رہا۔

جب کشتی عین دریا کے وسط میں جا رہی تھی تو تیز ہوا بحکم خدا چلنا شروع ہوئی سب کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ کشتی کا سلامت کنارے پر لگنا ناممکن نظر آنے لگا۔ ملاح

نے کہا بھائیو! کشتی بچتی نظر نہیں آتی۔ تیر کر پار اترنے کے لیے تیار ہو جاؤ پھر نحوی صاحب سے پوچھا! حضرت آپ کچھ تیرنا بھی جانتے ہیں۔ بولے ہم تو ساری عمر کتابی علم ہی پڑھتے رہے۔ ایسی باتوں کی طرف کبھی خیال ہی نہیں ہوا۔ کشتی بان طنز سے "پھر آپ نے ساری عمر یونہی ضائع کی یہاں تیراکی کام آسکتا ہے علم نحو ڈوبنے سے نہیں بچا سکتا"

مولانا رومؒ کی مذکورہ حکایت ہمارے ان علماء کے لیے ہے جو کوئی کسب و ہنر نہیں سیکھتے دوسروں کے محتاج بن کر رہ جاتے ہیں۔ اگر وہ ساتھ ہی کوئی کسب سیکھ لیں۔ تو سونے پر سہاگہ ہو جائے دوسروں کی محتاجی نہ رہے گی بے غرض ہو کر دین اسلام کی خدمت بجالایا کریں گے۔

مخلوق سے پیار

حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریاں پال کر اپنی روزی کماتے تھے ایک دن ایک بکری ریوڑ سے پیچھے رہ گئی اور رات بھر جنگل میں بھٹکتی رہی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خیال آیا کہ اگر وہ رات کو باہر رہی تو اسے کوئی بھیڑیا پھاڑ کھائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بکری کی تلاش کو نکلے ساری رات ڈھونڈتے رہے۔ پاؤں میں آبلے پڑ گئے۔ تھکان سے بدن دکھنے لگا۔ صبح ایک جگہ سے بکری ملی جو تھک کر بیٹھی ہوئی تھی۔ کوئی چرواہا ہوتا تو بکری کو مار مار کر ادھ موا کر دیتا کہ کم بخت تو نے مجھے پریشان کیا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام ناراض نہ ہوئے بکری کو پیار کرنے لگے اپنے ہاتھوں سے اس کا منہ اور رال صاف کیا بال جھاڑے فرمانے لگے اے بکری! بتا مجھ سے کیا خطا ہوئی کہ میرے گلے سے جدا ہوئی۔ میں نے مان لیا کہ تجھے میری پرواہ نہ تھی مگر تو نے اپنی تکلیف کو بھی نہ دیکھا بکری کی ٹانگیں سردی کی وجہ سے اکڑی ہوئی تھیں۔ چل پھر نہ سکتی تھی۔ آپ علیہ السلام نے اسے بڑے پیار سے اپنی گود میں اٹھا لیا۔ جیسے ماں اپنے بچے کو۔ خدا کو اپنی ایک بے زبان مخلوق سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمدردی بہت پسند آئی۔ فرشتوں سے کہا دیکھو موسیٰ علیہ السلام کا حوصلہ۔

شایان اس قوم کی ہے سروری
یہ ہے بیشک لائق پیغمبری

اخبار الاخوان

مجالس شیخ سلسلہ :- 4 جنوری بروز اتوار آپ ماہانہ مجلس کے لیے مرکز تعمیر ملت تشریف لائے۔ الحمد للہ مقامی اور قریبی حلقوں کے علاوہ شاہدرہ حلقہ سے بھی چند بھائی حاضر ہوئے۔

☆ - اسی شام آپ گوجرانوالہ کے بھائی شیخ محمد اسلم صاحب کی طرف سے دی گئی دعوت افطار میں بھی شامل ہوئے۔

☆ - 11 جنوری بروز اتوار آپ خادم حلقہ فرید ٹاؤن گوجرانوالہ کی طرف سے منعقد دعوت افطار کے لیے تشریف لے گئے اور حاضرین سے رمضان شریف کی برکات اور حقیقت صوم پر ایمان افروز گفتگو فرمائی۔

☆ - 16 جنوری بروز جمعہ مقامی بھائیوں کی طرف سے ترتیب دی گئی مجلس تلاوت و درس قرآن اور دعوت افطار میں شمولیت فرمائی۔

☆ - 23 جنوری بروز جمعہ آپ نے کاشانہ توحیدیہ پر دعوت افطار کا انتظام فرمایا جس میں پیر بھائیوں کے علاوہ دیگر برادران اسلام نے بھی شرکت فرمائی۔

☆ - بانی سلسلہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری کی روح مبارکہ کو ثواب پہنچانے کے لیے گوجرانوالہ کے بھائی الحاج محمد امین صاحب نے 18 جنوری بروز اتوار اپنے گھر پر تلاوت قرآن کریم کی مجلس کا پروگرام بنایا۔ مقامی اور قریبی حلقوں کے برادران کے علاوہ آپ نے بھی شرکت کی سعادت حاصل کی اور دعوت افطار کے بعد وہاں سے واپسی ہوئی۔

تہنیت عید:- شیخ سلسلہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب نے ان تمام پیر بھائیوں، بہنوں اور بیٹے بیٹیوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے عید مبارک کے کارڈ ارسال فرمائے اور ان کا بھی جنہوں نے پر خلوص دعاؤں میں بھی یاد رکھا۔ وہ دعاگو ہیں کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ تمام برادران اسلام پر خصوصی رحمت فرمائے اور عید کی حقیقی نعمتوں اور مسرتوں سے نوازے۔ آمین

سانحہ ارتحال:- گوجرانوالہ کے بھائی ظہور خان صاحب کے برادر محترم انتقال کر گئے ہیں۔ تمام برادران سے التماس ہے کہ ان کی مغفرت کے لیے دعا کی جائے۔

گوجرنوالہ کے بھائی شیخ محمد اسلم صاحب اور شیخ محمد اکرم صاحب کے تایا جان اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ تمام برادران سلسلہ انکی مغفرت کے لیے دعا فرمائیں۔

درس اسلام کورس

قرآنی آیات کے ترجمہ پر مشتمل کورس

16 اسباق میں قرآنی اصول و احکام اور رسول خدا ﷺ کی زندگی کا احاطہ کیا گیا ہے۔

آٹھ اصلاحی پمفلٹ بھی بھیجے جاتے ہیں

ڈاک خرچ کے لئے ۔/25 روپے روانہ کیجئے

قرآن مجید بمعہ انگریزی ترجمہ مجلد 622 صفحات

صرف ۔/100 روپے میں

لیفٹیننٹ کرنل محمد ایوب خان

انجمن اشاعت قرآن 294 توسیع کیولری گراؤنڈ لاہور کینٹ

ادارہ اصلاح انسانیت کی طرف سے تمام قارئین کو عید مبارک ہو!
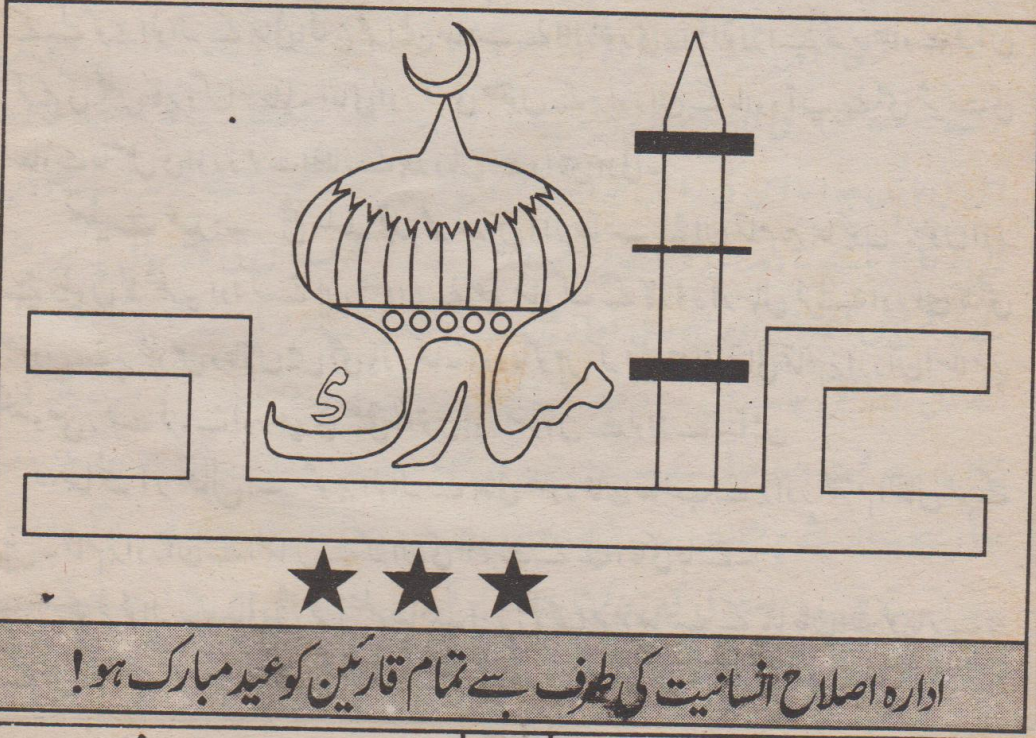
بانی سلسلہ کی تصانیف

"حقیقت وحدت الوجود" یہ کتاب وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور اہم دستاویز ہے خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے دوران سلوک جو دیکھا اس حقیقت کو عام فہم دلائل کی روشنی میں نہایت ہی آسان زبان میں بیان کر دیا ہے تاکہ متلاشیان حق غلط راہوں میں پڑ کر گمراہ نہ ہو جائیں اس میں جو موضوعات زیر باعث آئے ہیں ان میں سے خاص خاص یہ ہیں

☆ انسان کی بقا اور ترقی کے لئے مذہب کیوں ناگزیر ہے
☆ روحانی عوالم اور روح کے سفر کا حال عالم ھو کی خصوصی تشریح
☆ سلوک کے دوران کون سے مقام پر وحدت الوجود کی کیفیت محسوس و مدرک ہوتی ہے
☆ وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا۔
☆ اس اہم سوال کا جواب ہندو مفکرین، مادہ پرست دانشوروں اور فلاسفروں نے کیا دیا ہے
☆ حضرت ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شہود میں فرق
☆ روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں
☆ حضرت حسین ابن منصور حلاجؒ کے دعوی انا الحق کی توجیہہ
☆ وحدت الوجود کی قائل جماعت کے نظریات اور قرآنی احکامات کیا ہیں

ان تمام امور پر محققانہ بحث و تنقید کے بعد حقیقت طشت ازبام کر دی گئی ہے۔ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں اور الجھنوں میں گرفتار طالبان حقیقت کے لئے یہ کتاب ایک نعمت سے کم نہیں۔